یوسف پر حملہ

یوسف اپنے گھر میں تین مہینے کتاب لکھنے میں مصروف رہا۔ اس عرصہ میں وہ فہمیدہ اور بلقیس کو تقریباً ہر مہینے دو یا تین خط ضرور لکھا کرتا تھا۔ منظور احمد اور امینہ اپنے خطوط میں اصرار کیا کرتے تھے کہ آپ کتاب ختم ہونے تک لاہور کیوں نہیں آجاتے۔ اور ان کو اس کا ایک ہی جواب ہوتا کہ مجھے جس سکون کی ضرورت ہے وہ مجھے اپنے گاؤں میں ہی نصیب ہوتا ہے۔ وہ تین ماہ کے عرصہ میں دو بار اس کے گاؤں میں آئے تھے۔ اور دوسری مرتبہ ان کے ساتھ بیگم بلقیس بھی آگئی تھیں۔ اور ڈاکٹر جمیل بھی ان کے ساتھ تھا انہوں نے تین دن اُس کے پاس قیام کیا۔ اور اس عرصہ میں یوسف، ڈاکٹر جمیل کے ساتھ کافی مانوس ہو چکا تھا۔

بلقیس نے آتے ہی کہا تھا کہ "ہم اپنے بیٹے کو لینے کے لئے آئے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میاں صاحب تمہیں خوشی سے ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دے دیں گے۔"

اس نے جواب دیا۔ "چچی جان کتاب کے آخری اُسّی یا زیادہ سے زیادہ سو صفحات باقی ہیں۔ میں انہیں مکمل کرتے ہی آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا اور وہیں نظر ثانی کروں گا۔ اس کے بعد مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کتاب کی تکمیل کے بعد ملک کے بدلتے ہوئے سیاسی حالات مجھے کافی عرصہ لکھنے کا موقع نہیں دیں گے۔"

یوسف کے مہمانوں کی اطلاع ملتے ہی اجیت کوران کے گھر پہنچ گئی تھی اور وہ دن کا بیشتر وقت بلقیس اور امینہ کے ساتھ گزارا کرتی تھی اور اس کی گفتگو کا موضوع

ہمیشہ فہمیدہ ہوا کرتی تھی۔

تیسرے دن جب وہ رخصت ہو رہے تھے تو ڈاکٹر جمیل، یوسف سے بغل گیر ہوا اور اس نے مسکراتے ہوئے یوسف سے پوچھا۔ "یوسف صاحب آپ نے میرے دوست ڈاکٹر چوہنج کے متعلق کچھ نہیں پوچھا۔ اسے آپ کی کوئی ادا پسند آگئی ہے اور وہ ہر خط اور ٹیلی فون کال میں تمہارے متعلق ضرور پوچھتا ہے اور ہمیشہ تاکید کرتا ہے کہ جب کبھی یوسف صاحب جالندھر آئیں تو مجھے ضرور ملیں۔ میں اس کی موجودگی میں نسرین کے پورے خاندان کو دعوت دینا چاہتا ہوں اور چوہنج کا لقب دینے پر ننھی شہزادی کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہتا ہوں۔"

بیس دن بعد یوسف فہمیدہ کے نام اس مضمون کا خط لکھ رہا تھا۔

"آج نئی کتاب کی آخری سطور لکھنے کے بعد میں قید تنہائی سے آزاد ہو چکا ہوں۔ یہ ایک ایسا وقت ہے جب انسان کہیں پہنچنے کے لئے پروں کی ضرورت محسوس کرتا ہے انشاءاللہ میں پرسوں صبح اسی گاڑی سے آپ کی طرف روانہ ہو جاؤں گا جس میں ہم نے ان دنوں سفر کیا تھا اور جس میں ماں جی، خالہ جان، خالو جان، آپ اور نسرین دھرم سالہ سے تشریف لا رہے تھے اور میں آپ کے ساتھ چل پڑا تھا۔ میں نے پتہ کیا ہے۔ جالندھر کی گاڑی کا آج بھی وقت تبدیل نہیں ہوا ہے۔ میں نے منظور صاحب کو بھی لکھ دیا ہے۔ اس بات کا امکان ہے کہ وہ شاید امرتسر پہنچ جائے اور وہاں سے میرے ساتھ ہو جائے امینہ کو میں نے منع کر دیا ہے۔ ورنہ اس کا منظور کے ساتھ آنا یقینی تھا۔ سب کو سلام کہہ دیجئے۔"

تیسری شام یوسف امرتسر کے پلیٹ فارم پر جالندھر کی گاڑی کے انتظار میں کھڑا تھا کہ پیچھے سے کسی نے آکر آنکھیں بند کر دیں یوسف نے آنکھوں سے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔ "ارے تمہارا خیال ہے تمہارے ہاتھ کو پہچاننے کے لئے بھی مجھے سوچنا پڑے گا۔ میں سوچ رہا تھا کہ شاید تم نہ آؤ۔"

منظور نے اس سے گلے ملتے ہوئے جواب دیا۔ "بھائی صاحب! میں چار گھنٹے سے امرتسر میں ہوں۔ میاں صاحب کو اپنے مکان کی مرمت کے سلسلے میں یہاں کام تھا اور میں کار میں اُن کے ساتھ آ گیا تھا۔ ابھی انہیں رخصت کر کے یہاں پہنچا ہوں۔ مکان کا خریدار میاں صاحب کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ اور انہوں نے مرمت اس لئے شروع کروا دی ہے کہ قیمت کچھ چڑھ جائے گی۔ میاں صاحب یہ تاکید کر کے گئے ہیں کہ میں آپ کو ساتھ لے کر جلدی لاہور پہنچوں کیوں کہ مکان فروخت کرنے کے بارے میں وہ آپ کا مشورہ ضروری سمجھتے ہیں۔"

یوسف نے کہا۔ "یار تم جالندھر پہنچ کر انہیں ٹیلی فون کر دو اگر انہیں مناسب قیمت ملتی ہے تو بیچنے میں تاخیر نہ کریں۔"

یوسف نے ایک قلی کا نمبر نوٹ کر کے اسے اپنے سامان کا خیال رکھنے کی تاکید کی اور منظور کے ساتھ ٹہلنا شروع کر دیا۔ ایک جگہ پلیٹ فارم پر تین آدمی کھڑے تھے یوسف ان میں سے ایک کو دیکھ کر ذرا ٹھٹکا۔ لیکن پھر بے پرواہی سے آگے نکل گیا تھوڑی دیر بعد جب واپسی پر ان کے قریب سے گزرا تو اسے کچھ شک ہوا تو اس نے چند قدم آگے چل کر انگریزی میں منظور سے کہا۔ "یار منظور! وہ ہماری طرف اس طرح دیکھ رہے تھے جس طرح وہ ہمیں جانتے ہوں۔ ایک آدمی پر تو مجھے تھوڑا سا شک بھی ہوا تھا۔ لیکن یہ وہ نہیں ہو سکتا۔ ایسے آدمی کی صورت صرف اسی جگہ پہچانی جا سکتی ہے۔ جہاں اسے

اکثر دیکھا گیا ہو۔"

منظور نے کہا۔ "اگر آپ چاہتے ہیں۔ تو میں ابھی پوچھ لیتا ہوں۔"

"نہیں، اس کی کوئی ضرورت نہیں۔"

چند منٹ بعد گاڑی پر سوار ہوتے وقت انہوں نے دیکھا کہ وہ انٹر کلاس میں ان کے پیچھے ایک تھرڈ کلاس کے ڈبے میں سوار ہو رہے ہیں۔ منظور نے سوال کیا یوسف صاحب وہ مریل سا آدمی جس پر آپ کو شک ہوا تھا۔ آپ کے خیال میں کون ہو سکتا تھا؟

یوسف نے جواب دیا "یار مجھے یہ شبہ ہوا تھا۔ کہ اس کی شکل بیرکوکے شاہ سے ملتی ہے۔ شاید رنگ اتنا کالا نہیں تھا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ اس کا کوئی بھائی یا قریبی رشتہ دار ہو۔"

"بھائی صاحب، یہ نشہ کرنے والے لوگ گندے بھی تو رہتے ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کوکے شاہ نے نہانا شروع کر دیا ہو۔"

راستے میں ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر مخالف سمت سے آنے والی گاڑی سے کراس ہونا تھا۔ یوسف اور منظور نے اتر کر پلیٹ فارم کے نلکے سے وضو کیا۔ وہ چادر نماز بچھا کر عشاء کی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ نماز ختم کرنے کے بعد یوسف نے شکرانے کے نفل ادا کرنے شروع کر دیئے اور منظور نے دوسری طرف سے آکر رکنے والی گاڑی کے سامنے ٹہلنا شروع کر دیا۔ کچھ فاصلے پر ایک کمپارٹمنٹ سے دو نوجوان باہر نکلے اور یکے بعد دیگرے منظور کے ساتھ لپٹ گئے۔ وہ باتیں کر رہے تھے کہ گاڑی نے وسل دیا اور وہ بھاگ کر اپنے ڈبے میں سوار ہو گئے۔ منظور ہاتھ ہلا کر انہیں الوداع کہہ رہا تھا کہ اسے پاس ہی پستول چلنے کی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی اس نے یہ دیکھا جس جگہ وہ یوسف کو چھوڑ کر آیا تھا۔ وہاں جمع ہونے والے لوگ شور مچا رہے تھے۔ وہ بھاگتا

ہوا۔ وہاں پہنچا تو اسے ان لوگوں کے درمیان یوسف پڑا ہوا دکھائی دیا۔ اس کا لباس خون سے تر ہو رہا تھا اور سر سے بھی خون بہہ رہا تھا۔ ایک معمر آدمی کہہ رہا تھا کہ میں نے سب کچھ دیکھا ہے۔ وہ دونوں اس کے قریب کھڑے تھے۔ جب وہ سجدے میں گیا تھا تو ایک آدمی نے جھک کر اسے چھرا مارا تھا۔ وہ دوسرا وار کرنے لگا تو اس شیر کے بچے نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور اس طرح بازو مروڑا کہ وہ گر پڑا، لیکن دوسرے آدمی نے سر پر لاٹھی مار دی تھی، لیکن وہ گرتے ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا تو ایک آدمی نے گولی چلا دی اور پھر وہ بھاگ نکلے۔ اس شیر میں اتنی ہمت تھی کہ گولی کھا کر بھی گرتے گرتے اس تک پہنچ گیا۔ میں نے انہیں جانے والی گاڑی کے انجن کے آگے سے گزرتے ہوئے دیکھا ہے"۔ منظور نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہاں کوئی ڈاکٹر ہے؟"

"بیٹا، ڈاکٹر کے لئے آپ کو اب جالندھر یا واپس امرتسر جانا پڑے گا۔ یہ میری پگڑی لو اور اس کی پٹیاں بنا کر اس کا خون بند کر دو۔ میں اسے گاڑی تک پہنچانے میں تمہاری مدد کرتا ہوں"۔

اس آدمی کی دیکھا دیکھی۔ دوسرے بھی یوسف کی مدد کے لئے آ گئے اور انہوں نے یوسف کو اٹھا کر گاڑی میں لٹا دیا۔ ایک عورت اپنی بیٹی کے ساتھ نمودار ہوئی اور اس نے ایک صاف چادر کی پٹیاں پھاڑتے ہوئے کہا۔ اس کے زخم اس صاف کپڑے کے ساتھ باندھو۔ اس کے بعد جو چاہو اوپر لپیٹ دینا۔ گاڑی چل پڑی۔ اور یوسف نے بغیر آنکھیں کھولے اونگھتے ہوئے کہا۔ "منظور! منظور! میں کہاں ہوں؟"

"یوسف صاحب، ہم جالندھر جا رہے ہیں۔ مجھے اس وقت پتہ چلا، جب وہ آپ کو زخمی کر کے بھاگ گئے تھے"۔

یوسف نے کچھ دیر کوئی جواب نہ دیا... پھر اس کے منہ سے اچانک آواز نکلی۔ "اگر... اگر... میں وہاں نہ پہنچ سکوں تو انہیں کہہ دینا کہ میں کتاب سے فارغ ہونے کے بعد سیدھا

ان کے پاس آرہا تھا۔ میرا شک غلط نہیں تھا۔ وہ بیر کوٹ کے شاہ کے آدمی تھے
مجھے پانی دو" ایک آدمی نے پانی کا گلاس اس کے منہ کو لگا دیا اور وہ پانی پینے کے بعد
کچھ دیر بے ہوشی کی حالت میں بڑبڑاتا رہا۔

ایک نوجوان نے کہا۔"یار یہ وہی ہیں جو الیکشن کے دنوں میں بڑی جوشیلی تقریریں کیا
کرتے تھے۔ میں اگلے سٹیشن پر پہنچتے ہی جالندھر اطلاع کر دوں گا کہ وہاں ان کے لئے ایمبولنس
کا انتظام کیا جائے۔"

منظور نے کہا۔"جالندھر کے فوجی ہسپتال میں ڈاکٹر کمال الدین اور ان کے دوسرے
رشتہ داروں کو بھی اطلاع دینی ہے۔ میں آپ کو تار لکھ دیتا ہوں"۔ منظور نے اپنے سوٹ
کیس میں سے ایک پیڈ نکال کر فہمیدہ کے والد اور ڈاکٹر کمال الدین کو تار لکھ دیئے
اور جیب سے دس روپے کا نوٹ نکال کر نوجوان کے ہاتھ میں تھما دیا۔"بھائی آپ کو یہ
تکلیف کرنی پڑے گی۔ یہ بہت ضروری ہے کہ ان کے پہنچتے ہی وہ لوگ وہاں موجود
ہوں۔ ڈاکٹر کمال الدین ایک بڑا سرجن ہے۔ اور اگر اسے بروقت تار مل گیا تو ایک قیمتی
جان بچ جائے گی۔"

ایک معمر آدمی نے کہا۔"بیٹا! تم اس کی فکر نہ کرو۔ تمہیں معلوم ہے ان پر حملہ کرنے
والے کون تھے؟"

"جی، مجھے معلوم ہے۔ وہ پیشہ ور قاتل تھے اور کئی آدمیوں کا خون بہا چکے ہیں۔
انشاءاللہ، ملک بھر کے اخبارات میں ان کی تصویریں شائع ہو جائیں گی۔"

جالندھر کے پلیٹ فارم پر نسرین، فہمیدہ اور ان کے والدین کھڑے تھے۔ قریب
ہی پولیس کے چند آدمیوں کے ساتھ فوجی ہسپتال کے ایک ڈاکٹر اور اس کے عملہ کے چند آدمی
کھڑے تھے۔ گاڑی کی آمد کا سگنل ہو چکا تھا۔ اور فہمیدہ نے اضطراب کی حالت میں نسرین

کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ گاڑی پلیٹ فارم پر پہنچی۔ تو پولیس نے انٹر کلاس کی بوگی کے دروازے
کے سامنے گھیرا ڈال لیا۔ فوجی ڈاکٹر اور ہسپتال کے ملازم اندر داخل ہوئے۔ فہمیدہ اور اس
کے ساتھیوں نے ہر ممکن کوشش کی لیکن ایک پولیس افسر نے ہاتھ کے اشارے سے روکتے
ہوئے کہا۔"آپ ایک منٹ صبر کریں۔ ایک زخمی کو گاڑی سے نکال کر فوراً ہسپتال پہنچانا
ضروری ہے۔ گاڑی یہاں کافی دیر کھڑی رہے گی۔"

نسرین نے تلملا کر کہا۔"وہ زخمی میرا بھائی ہے جی۔ اور ہم اسی کے لئے آئے ہیں۔"

پولیس افسر نے نرم ہو کر کہا۔"بی بی، مجھے افسوس ہے۔ لیکن اس وقت کوئی بھی زخمی کے
قریب نہیں جا سکتا۔"

نسرین کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن فہمیدہ نے اس کا بازو پکڑ کر جھٹکا اور وہ خاموش ہوگئی
جب اسٹریچر باہر نکالا گیا تو منظور احمد دو سوٹ کیس پلیٹ فارم پر رکھنے کے بعد بھاگتا
ہوا ان کے پاس پہنچا۔ نسرین اسے دیکھتے ہی چلائی۔"وہ میرے بھائی جان کو کہاں لے
گئے ہیں؟"

منظور نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔"جی وہ انہیں ایمبولنس میں ڈال کر
ہسپتال لے جائیں گے۔"

فہمیدہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔"میں ان کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔"

منظور نے جواب دیا۔"اگر آپ اپنی گاڑی میں آئی ہیں تو ہم ابھی وہاں پہنچ جائیں گے
ہسپتال سے ایک کامیاب سرجن آیا ہے۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ گیٹ کیپر یوسف
صاحب کے عزیزوں کو فوراً اندر پہنچا دے گا۔"

"گاڑی موجود ہے بھائی جان۔" نسرین نے کہا۔

منظور نے ایک قلی کو اشارے سے روکتے ہوئے سامان کی طرف اشارہ کرتے
ہوئے کہا۔"وہ دونوں سوٹ کیس اٹھا لو۔"

قلی بھاگتا ہوا سوٹ کیس اٹھا لایا۔ اور تھوڑی دیر بعد وہ کار میں ہسپتال کا رخ کر رہے تھے۔ اور منظور انہیں بار بار یہ تسلی دے رہا تھا۔ کہ بھائی جان بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔

گاڑی ہسپتال کے دروازے کے سامنے رُکی اور ایک اردلی جو اُن کا منتظر تھا انہیں ایک کمرے کے اندر لے گیا۔ وہاں ایک نرس نے ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔ "آپ تشریف رکھیں۔ ڈاکٹر صاحب یہ کہہ گئے ہیں۔ کہ اپریشن میں کافی وقت لگ جائے گا۔ اس لئے اگر آپ تھکاوٹ محسوس کرتے ہوں تو آپ کو ان کے کوارٹر میں پہنچا دیا جائے۔"

نسرین نے کہا۔ "اگر ہمارا یہاں بیٹھنا قابلِ اعتراض نہ ہو تو ہم یہیں بیٹھ کر انتظار کریں گے۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "نرس، میں اپریشن میں بھی ان کے قریب رہنا چاہتی ہوں۔"

اس نے جواب دیا۔ "بی بی۔ یہ کیس ایسا ہے کہ میں ڈاکٹر صاحب کو آپ کی درخواست پہنچانے کی جرأت بھی نہیں کر سکتی۔ لیکن میں آپ کو یہ اطمینان ضرور دِلا سکتی ہوں کہ زخمی کے بارے میں ڈاکٹر صاحب آپ سے کم فکرمند نہیں ہوں گے۔ انہوں نے تار ملتے ہی لاہور کے ہسپتال میں ایک ڈاکٹر کو کال بُک کرائی تھی جو ابھی تک نہیں ملی۔"

فہمیدہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ ڈاکٹر کمال الدین صاحب ہیں؟"

"جی ہاں، اگر آپ انہیں جانتی ہیں۔ تو آپ کو اطمینان ہونا چاہیئے۔ کہ وہ آرمی کے بہترین سرجن سمجھے جاتے ہیں۔ منظور نے یہ بہت اچھا کیا کہ انہیں تار دے دیا۔ ورنہ وہ ایک لمبی سیر کے لئے نکل جاتے ہیں اور انہیں ڈھونڈنا آسان نہیں ہوتا۔ یہ تار انہیں اس وقت ملا تھا۔ جب وہ اپنی ڈیوٹی ختم کر کے جانے والے تھے۔ انہوں نے تار پڑھتے ہی کہا تھا کہ اگر زخمی وہی یوسف ہے۔ جسے میں جانتا ہوں تو ہم سب کو ان کے لئے دعا کرنی چاہیئے۔ آپ پسند فرمائیں۔ تو میں آپ کے لئے چائے بھیج دیتی ہوں۔"

"نہیں نہیں سسٹر ہمیں اس وقت چائے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"بہت اچھا، اردلی دروازے پر کھڑا ہوگا۔ آپ کو جب بھی کسی چیز کی ضرورت ہو وہ منگوا لیں۔ میں اب ڈیوٹی پر جا رہی ہوں۔"

انہوں نے انتہائی بےبسی اور بےچارگی کی حالت میں تین گھنٹے انتظار کیا پھر وہ نرس آئی اور اس نے کہا۔ "جناب آپ سب میرے ساتھ تشریف لائیں۔ خدا کا شکر ہے کہ مریض کے متعلق ڈاکٹروں کی پریشانی دور ہو چکی ہے۔"

وہ اٹھ کر نرس کی راہنمائی میں چل دیئے۔ کچھ دیر چلنے کے بعد نسرین نے پوچھا "سسٹر، وہ کتنی دور ہیں؟"

"بس آپ کو تین چار منٹ اور چلنا پڑے گا۔ میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر صاحب بھی وہاں پہنچ چکے ہوں گے۔"

وہ ایک کمرے میں داخل ہوئے اور آرام کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ نرس نے برابر کے کمرے میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ "ڈاکٹر صاحب ابھی نہیں پہنچے؟"

"جی، وہ آرہے ہیں" اندر سے اردلی نے جواب دیا۔

"نہیں انہوں نے حکم دیا تھا کہ کھانا فوراً لگا دیا جائے۔"

فہمیدہ نے قدرے بدحواس ہو کر ادھر دیکھا تو برابر کے کمرے میں ایک کشادہ میز پر دو آدمی اسے کھانا لگاتے ہوئے دکھائی دیئے۔ وہ نرس سے کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ڈاکٹر کمال الدین کمرے میں داخل ہوا۔

"میں اپریشن کے بعد نفل پڑھنے لگ گیا تھا۔ مجھے یوسف کا یہاں تک پہنچ جانا بھی ایک معجزہ معلوم ہوتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اب مجھے اطمینان ہو گیا ہے۔" اس نے نسرین کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "شہزادی نسرین اب آنسو پونچھ لو۔ تمہارا بھائی ٹھیک ہو گیا ہے۔ اور انشاءاللہ چند دن تک تم اس سے باتیں کر سکو گی۔"

فہمیدہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "اگر یوسف کی بیوی اسے موجودہ حالت میں دیکھنے کو بے چین ہو تو اسے اجازت مل جائے گی؟"

ڈاکٹر کمال الدین نے جواب دیا۔ "محترمہ اس مسئلہ پر بھی سوچا جائے گا۔ پہلے آپ اطمینان سے کھانا کھائیں۔ مجھے سخت بھوک اور تھکاوٹ محسوس ہو رہی ہے۔"

بیرے نے دروازے سے جھانکتے ہوئے کہا۔ "صاحب کھانا تیار ہے۔"

ڈاکٹر کمال الدین نے محمد نصیر الدین سے مخاطب ہو کر کہا۔ "مجھے احساس ہو گیا تھا۔ اس لئے میں نے آپ کی اجازت کے بغیر اپنے اردلی کو کھانا تیار کرنے کا کہہ دیا تھا۔"

نصیر الدین نے اُٹھ کر اپنی بیوی اور بچوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اُٹھو بھئی، اب تم میں سے کسی کا جی چاہے یا نہ چاہے۔ ڈاکٹر صاحب کے احترام میں تھوڑا بہت کھانا پڑے گا۔"

محمد نصیر الدین اور صفیہ برابر کے کمرے میں چلے گئے اور نسرین بھی اٹھ کر ان کے پیچھے چلی گئی لیکن فہمیدہ دونوں ہاتھوں میں سر پکڑے بیٹھی رہی۔

ڈاکٹر کمال الدین نے کہا۔ "محترمہ آپ بھی اُٹھئے۔" فہمیدہ نے اٹھ کر کہا۔ "ڈاکٹر صاحب، میں آپ کی حکم عدولی نہیں کر سکتی، لیکن آپ میری بات کا یقین کریں مجھے قطعاً بھوک نہیں ہے۔"

کمال الدین نے کہا۔ "محترمہ اگر آپ فہمیدہ ہیں تو میں آپ کو یہ بتا سکتا ہوں کہ یوسف نے بے ہوشی کی حالت میں دو مرتبہ آپ کا نام پکارا تھا۔ بہت زیادہ خون بہہ جانے سے اس کی حالت بہت تشویشناک ہو چکی تھی۔ لیکن ہمیں اس کے بلڈ گروپ کا خون کافی مقدار میں مل گیا تھا۔ ایک بوتل خون دینے کے بعد اس کی حالت کافی بہتر ہو گئی تھی۔ اور اب دوسری بوتل دی جا رہی ہے۔ اسے موجودہ حالت میں دیکھنے کے لئے آپ کو ایک مضبوط دل کی ضرورت ہے اور دل کو مضبوط رکھنے کے لئے انسان کو خوراک کی ضرورت ہوتی ہے۔ آئیے! میں کھانا کھاتے ہی آپ کو اس کے پاس لے جاؤں گا۔ اور اگر آپ نسرین کے متعلق یقین دہانی کروا سکیں کہ وہ وہاں جا کر دہائی دینا شروع نہیں کر دے گی۔ تو وہ بھی آپ کے ساتھ جا سکے گی۔ لیکن فی الحال آپ

کی امی اور ابو کو بھی وہاں نہیں جانے دیں گے۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "جی ہم انہیں تسلی دے سکیں گے۔" تھوڑی دیر بعد وہ کھانا کھا رہے تھے۔ فہمیدہ کھانے سے کوئی رغبت ظاہر نہیں کر رہی تھی۔ لیکن جب کمال الدین اس کی طرف دیکھتا تو وہ جلدی سے ایک لقمہ منہ میں ڈال لیتی۔ اچانک اس نے فہمیدہ سے پوچھا۔ "محترمہ آپ نرسنگ کے متعلق کچھ جانتی ہیں؟"

"جی میں جانتی ہوں۔ چچا جان نے مجھے نبض کی رفتار دیکھنا اور ٹمپریچر دیکھنا اور وقت پر دوائی پلانا سکھایا تھا وہ مجھے یہ بھی بتایا کرتے تھے کہ اگر مریض کی حالت میں کوئی تبدیلی نظر آئے تو فوراً ڈاکٹر کو اطلاع دی جائے۔"

کمال الدین بولا۔ "محترمہ، ایسی صورت میں آپ یوسف کو دیکھ سکتی ہیں۔ میں ابھی آپ کو وہاں لے جاؤں گا۔"

نسرین بولی۔ "ڈاکٹر صاحب، یہ باتیں تو مجھے بھی آتی ہیں۔ میری چچی جان رقیہ جب بیمار ہوئی تھیں تو حمیرا باجی کے ساتھ میں بھی ان کی تیمارداری کیا کرتی تھی۔ اور چچا جان یہ کہا کرتے تھے کہ نسرین بیٹی کو ڈاکٹر بننا چاہیئے۔"

"تم بھی اپنی آپا کے ساتھ جا سکتی ہو، لیکن وہ بھی اس شرط پر کہ تم اپنی امی اور ابو کو اس بات پر رضامند کر لو کہ وہ تمہارے ساتھ نہیں چل پڑیں گے۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "امی اور ابو کو ہم سے بہتر تسلی اور کوئی نہیں دے سکتا۔"

کھانا ختم کر کے ہاتھ دھونے کے بعد ڈاکٹر کمال الدین۔ نصیر الدین کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "جناب آپ کو اس وقت وہاں جا کر پریشانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ آپ میری کوئی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ تو اس کے لئے دعا کرتے رہیں۔ اب آپ میرے مہمان ہیں اور اگر نسرین کے بھائی کے متعلق آپ کو کوئی پریشانی ہے تو اسے بھی یہاں ہی بلوا لیں۔"

نصیرالدین نے کہا: "ڈاکٹر صاحب، ہم نے اپنے ڈرائیور کو سمجھا دیا تھا۔ اور اس نے اِن کی تسلی کر دی ہوگی۔"

کمال الدین نے بیرے سے پوچھا۔ "تم نے اِن کے ڈرائیور کو کھانا کھلا دیا یا نہیں؟"

"جناب! وہ ابھی تک واپس نہیں آیا۔ میں نے گیٹ کیپر کو کہہ دیا ہے کہ اگر وہ آئے تو اسے کھانے کے لئے یہاں بھیج دو۔"

نصیرالدین نے کہا۔ "جناب، میں نے اسے کہہ دیا تھا۔ کہ وہ کھانا کھا کر ظہیر کو سلانے کے بعد واپس آئے۔ اُسے یہ معلوم نہیں ہے کہ ہم کہاں ہیں؟"

نسرین بولی "ابا جی، ظہیر بھائی کو اس بات کی خوشی ہوگی اور وہ کل سکول نہیں جاتے گا۔"

منظور احمد نے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب، میں اس وقت آپ کو پریشان نہیں کروں گا، لیکن اس بات کی اجازت چاہتا ہوں کہ میں جب چاہوں یوسف صاحب کو ایک نظر دیکھ آیا کروں اور آپ کو یہ اطمینان دلا سکتا ہوں کہ میں ایک بہت اچھا تیمار دار ہوں۔ اور اس سے پہلے بھی ہسپتال میں یوسف صاحب کے نرسنگ سٹاف کی مدد کر چکا ہوں۔"

ڈاکٹر کمال الدین نے کہا۔ "بہت اچھا، آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔ جو سٹاف رات ڈیوٹی پر ہوگا۔ میں ان سے آپ کا تعارف کروا دوں گا۔"

تھوڑی دیر بعد جب فہمیدہ، نسرین اور منظور ڈاکٹر کے ساتھ کوریڈور میں سے گزر رہے تھے تو سامنے تھوڑی دور سے ایک نرس کمرے سے باہر نکلی اور اس نے کہا۔

"سَر، لاہور سے آپ کی کال مل گئی ہے۔"

"اگر آپ میں سے کسی نے ڈاکٹر جمیل صاحب سے بات کرنی ہے تو میرے ساتھ آ جائیں۔"

وہ اندر داخل ہوئے۔ اور نرس نے ٹیلی فون کا ریسیور ڈاکٹر کمال الدین کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"ہیلو، جمیل! شکر ہے کہ تم مل گئے۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ شاید تم گھر پر بھی نہیں ہوگے میں نے واقعی سخت پریشانی کی حالت میں تمہیں تار دیا تھا۔ مجھے یہ اطلاع ملی تھی کہ یوسف صاحب جالندھر کے راستے میں زخمی ہو گئے ہیں۔ وہ کسی اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر نماز پڑھ رہے تھے کہ دو آدمیوں نے بے خبری کی حالت میں ان پر حملہ کر دیا۔ اب میں آپ کو اطمینان سے بتا سکتا ہوں کہ اس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ ہوش آنے میں ابھی کچھ دیر لگے گی۔ تم میری یہ مدد کر سکتے ہو کہ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد چھٹی لے کر چل پڑو۔ ہاں انہیں بھی تار مل گیا تھا اور اس وقت فہمیدہ اور نسرین اور آپ کے دوست منظور میرے پاس کھڑے ہیں۔ اور ان کے والدین میرے مکان پر آرام کر رہے ہیں۔ اچھا آپ بات کر لیجئے۔" کمال الدین نے ریسیور فہمیدہ کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"چچا جان میں ٹھیک ہوں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔ "میں نے انہیں ابھی تک نہیں دیکھا۔ لیکن ڈاکٹر صاحب مجھے بہت تسلی دیتے ہیں۔ چچا جان، آپ ضرور آ جائیں۔ اور چچی جان کو بھی ساتھ لیتے آئیں۔ چچی کی دعاؤں کی بہت ضرورت ہے۔" یہ کہہ کر اس کی آواز سسکیوں میں ڈوب گئی۔ اور اس نے ریسیور نسرین کے ہاتھ میں دے دیا۔ نسرین کہہ رہی تھی۔

"چچا جان، یہاں رونے کی اجازت نہیں۔ ورنہ آپ کو میری چیخیں سنائی دیتیں۔ آپا کے ساتھ انہیں دیکھنے جا رہی ہوں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ وہ بے ہوش ہیں۔ ہاں چچا جان، آپ ضرور آئیں۔ بہت اچھا چچا جان۔" نسرین نے یہ کہہ کر ریسیور ڈاکٹر کمال الدین کے ہاتھ میں دے دیا۔

ڈاکٹر کمال الدین کہہ رہا تھا۔ "بھئی ان کو تسلی دینے کے لئے یہاں لایا ہوں۔ اُن کے دوست منظور صاحب بھی میرے ساتھ ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ حملہ کرنے والوں کو تلاش کر لیا جائے گا۔ وہ ایک جرائم پیشہ پیرگوکے شاہ کے ساتھ دیکھے گئے تھے۔ ان کی تصویریں پولیس کے ریکارڈ میں

محفوظ ہیں۔ باقی تفصیلات آپ کو منظور صاحب بتا دیں گے۔ ٹھیک ہے اگر آپ ابھی چل پڑے تو اور اچھا ہوگا۔ لیکن چند دن کی چھٹی لے کر آئیں، لیکن دیکھئے، ٹریفک میں تیز گاڑی نہ چلانا۔"

ڈاکٹر نے ریسیور رکھ دیا۔ اور فہمیدہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔"محترمہ، میرا خیال ہے کہ جمیل صاحب تین ساڑھے تین گھنٹے تک پہنچ جائیں گے۔ یوسف صاحب کو ہوش میں لانے کے لئے مجھے ان سے بہتر کوئی اور مددگار نہیں مل سکتا تھا۔"

فہمیدہ نے کہا۔"ڈاکٹر صاحب، آپ مجھے مسز یوسف کہہ سکتے ہیں۔"

"بہت اچھا، مسز یوسف، مجھے اس حکم کی تعمیل میں خوشی ہوگی اور آپ کو بھی میرا کچھ لحاظ کرنا چاہیئے۔ مجھے آپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بہت تکلیف ہوتی ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب، اب میں آپ کی کسی بات میں حکم عدولی نہیں کروں گی۔"

تھوڑی دیر بعد وہ خاموشی سے یوسف کے بستر کے پاس کھڑے تھے۔ ڈاکٹر نے سرہانے پر لگا ہوا چارٹ دیکھا اور مطمئن سا ہو کر نرس سے کہا۔

"ایک اسپیشلسٹ انہیں دیکھنے کے لئے لاہور سے چل پڑے ہیں اور میں ان کی آمد تک دفتر میں رہوں گا۔ ان خواتین کے لیے یہاں کرسیاں رکھوا دو، میں مریض کو دیکھنے کے لئے آتا رہوں گا۔ جو ڈاکٹر آج ڈیوٹی پر ہے۔ وہ انہیں دیکھنے آئے تو اُسے میرے کمرے میں بھیج دو۔ انہیں پنسلین کا ٹیکہ لگنا چاہیئے۔ مسز یوسف! ذرا آپ دیکھیں ان کی نبض کی رفتار اب کیا ہے؟"

فہمیدہ نے کرسی ذرا آگے کر کے کانپتا ہوا ہاتھ یوسف کی نبض پر رکھ دیا۔ اور جب اسے یوسف کی نبض کی حرکت محسوس ہونے لگی تو اس کے مرجھائے ہوئے چہرے پر یکایک رونق آگئی۔

ڈاکٹر صاحب، "ان کی نبض بالکل ٹھیک ہے۔ یہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ میں آپ کی شکر گزار ہوں۔"

ڈاکٹر کمال الدین نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔"مسز یوسف، میں نے آپ کو ان کی نبض گننے کا کہا تھا۔ اپنی نظریں اپنی گھڑی پر رکھیں اور یہ گنتی رہیں کہ ایک منٹ میں ان کی نبض کتنی بار حرکت کرتی ہے۔ آپ اطمینان سے گن کر نرس کو بتا دیں، تو یہ چارٹ پر لکھ لے گی۔ منظور صاحب آپ میرے ساتھ چلیں گے یا یہیں رہیں گے؟"

"جی میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر اپنے دفتر میں منظور سے بے تکلفی سے باتیں کر رہا تھا۔ اور وہ یوسف کے ساتھ اپنی دوستی کے زمانے کی داستان سنا رہا تھا۔ نسرین جھجکتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے ڈاکٹر کمال الدین سے مخاطب ہو کر کہا۔

"انکل، بھائی جان کی نبض جب آپا جان نے گنی تھی۔ تو ایک بار ۹۷ اور دوسری بار ۹۶ تھی میں نے تین بار گنی تینوں بار ۹۶ تھی۔"

"اچھا، شکریہ، آپ اپنے بھائی جان کے متعلق کچھ سننا چاہتی ہیں تو یہیں بیٹھ جائیں۔ منظور صاحب بڑی دلچسپ باتیں سنا رہے ہیں۔"

نسرین چپکے سے کرسی پر بیٹھ گئی، تو منظور احمد بولا۔"ڈاکٹر صاحب، یوسف صاحب کے متعلق جو دلچسپ باتیں نسرین سنا سکتی ہے وہ اور کوئی نہیں سنا سکتا۔"

"نسرین کی باتوں کی تعریف تو میں لندن میں بھی سنا کرتا تھا۔ آپ اپنی بات ختم کریں۔ ان کی باتیں سننے کے لئے میں کسی دن چھٹی کر دوں گا اور اس وقت تک ان کی باتیں سنتا رہوں گا جب تک یہ تھک نہیں جائیں گی۔"

نسرین بولی، "انکل! اگر بھائی جان ٹھیک ہو جائیں۔ تو میں سارا دن ان کے متعلق باتیں کر کے بھی نہیں تھکوں گی اور آپ کو یہ یقین نہیں آئے گا۔ کہ دنیا میں کسی کا بھائی ایسا بھی ہو سکتا ہے۔"

"اچھا اب تم منظور صاحب کی باتیں سنتی رہو، اور اگر اکتا نہ جاؤ تو خاموشی سے یہاں بیٹھی رہو۔"

"انکل یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بھائی جان کے متعلق کوئی باتیں کرے اور میں اکتا جاؤں۔"

"تمہاری باجی تو پریشان نہیں ہو گی؟"

"نہیں ڈاکٹر صاحب، وہاں نرس بہت اچھی ہے اور وہ ڈاکٹر صاحب بھی بہت اچھے ہیں۔ جو انہیں دیکھ کر گئے ہیں۔ مجھے بھائی جان کو اس حالت میں دیکھ کر بڑی تکلیف ہوتی ہے میں کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ کبھی بے ہوش بھی ہو سکتے ہیں۔ میں اس طرف آ رہی تھی تو راستے میں یہ دعا کر رہی تھی۔ جب میں دوبارہ واپس آؤں تو بھائی جان آپا جان سے باتیں کر رہے ہوں۔ انہوں نے بڑے حوصلے سے کام لیا ہے۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ ان کے دل کی کیا حالت ہے۔ بھائی جان، میں چاہتی ہوں جب تک چچا جان یہاں پہنچ نہیں جاتے۔ آپ بھائی جان کے متعلق باتیں کرتے رہیں۔"

"نسرین، تمہیں نیند نہیں آئے گی؟"

"مجھے ان کے آرام کے اطمینان کے بغیر کیسے نیند آ سکتی ہے۔ مجھے آپا نے ایک ضروری پیغام دے کر یہاں بھیجا تھا۔ آپا جی پوچھتی تھیں کہ آپ اگر امی اور ابو کو بھی چند منٹ کے لئے بھائی جان کو دیکھ لینے دیں تو اس میں کیا حرج ہے۔ اس کے بعد وہ گھر جا کر آرام کر سکیں گے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ابھی انہیں لے آتی ہوں۔ اور آپا جان یہ بھی کہتی تھیں کہ انہیں نائٹ ڈیوٹی والی نرس کے ساتھ رہنے کی اجازت دی جائے۔"

ڈاکٹر کمال الدین نے کہا۔ "میں تمہاری آپا کی ہر خواہش کا احترام کرتا ہوں، لیکن ایسی صورت میں آپ تو یہاں ٹھہرنے پر ضد نہیں کریں گی؟"

نسرین نے جواب دیا۔ "آرام تو میں گھر جا کر بھی نہیں کرونگی، لیکن اگر آپا جان کو یہاں ٹھہرنے کی اجازت مل جائے تو میں آپ کو پریشان نہیں کروں گی۔"

ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "شہزادی صاحبہ، مجھے کوئی پریشانی نہیں ہو گی، لیکن یوسف صاحب کو چند اچھے تیمار داروں کی ضرورت پڑے گی اور میں یہ نہیں چاہتا، کہ آپ دونوں پہلے دن تھکاوٹ سے نڈھال ہو جائیں۔ منظور صاحب! آپ ان کے ابو اور امی کو لے آئیں۔"

نسرین بولی۔ "انکل، میں ان کے ساتھ جاتی ہوں تاکہ انہیں تسلی ہو جائے۔ ورنہ اچانک بلائے جانے پر وہ بہت پریشان ہوں گے۔"

"ہاں، آپ ضرور جائیں۔ آپ کا چچا غلط نہیں کہتا تھا۔ کہ نسرین بہت ذہین ہے۔"

ایک گھنٹہ بعد ڈاکٹر کمال الدین، نسرین اور اس کے والدین کو تسلیاں دے کر رخصت کر رہا تھا۔ جب کار چل پڑی تو نسرین بولی۔

"امی جان، چچا جان کا دوست بہت اچھا ڈاکٹر ہے۔ نرس کہتی تھی کہ پستول کی گولی بھائی جان کے سینے میں کسی خطرناک جگہ پھنس گئی تھی۔ اگر ڈاکٹر کمال الدین کی جگہ کوئی اور ڈاکٹر ہوتا تو اسے نکالنا بہت مشکل تھا۔"

صفیہ نے کہا۔ "تمہارے ابا جان نے کچھ کہا ہی نہیں تھا ورنہ منظور احمد کے ساتھ مجھے بھی وہاں ٹھہرنے کی اجازت مل جاتی۔"

نسرین بولی۔ "امی جان، آپ کے لئے اجازت تو میں بھی لے سکتی تھی، لیکن ہمارے لئے گھر جا کر دعائیں کرنا ہی بہتر ہو گا۔ چچا جمیل ہسپتال پہنچتے ہی ہمیں فون کریں گے۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ ہمیں کوئی اچھی خبر سنائیں گے۔ جب ٹیلی فون آئے گا تو میں آپ کو جگا دوں گی۔"

نصیر الدین نے کہا۔ "بیٹی، ٹیلی فون کی گھنٹی ہمارے کان نہیں سن سکیں گے؟"

"ابا جان! میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ منظور صاحب نے آپا جان کو بتایا تھا کہ بھائی جان کی نئی کتاب کا مسودہ ان کے سوٹ کیس میں پڑا ہوا ہے۔ میں وہ مسودہ پڑھتی رہوں گی اور جب ٹیلی فون آئے گا تو آپ کو جگا دوں گی۔"

صبح چار بجے کے قریب جب نسرین یوسف کی کتاب کا مسودہ پڑھنے میں مصروف تھی۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

نسرین نے امی اور ابا کو آوازیں دینے کے بعد ریسیور اٹھایا اور قدرے توقف کے بعد کہا۔ "السلام علیکم چچا جان، خدا کا شکر ہے کہ آپ پہنچ گئے۔ میں کیسے سو سکتی تھی۔ چچا جان، امی اور ابو جان آ گئے ہیں۔ پہلے آپ ان سے بات کر لیں۔"

جمیل کہہ رہا تھا۔ "بھائی جان، ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ یوسف کا بچ جانا ایک معجزہ تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ کمال الدین یہاں موجود تھا۔ میں یوسف کو اچھی طرح دیکھ چکا ہوں آپ دعا کرتے رہیں بھائی جان! بھابی جان کو بھی میری طرف سے تسلی دیں۔ فہمیدہ میرے پاس کھڑی ہے۔" نسرین نے اپنے ابا کے ہاتھ سے ریسیور پکڑتے ہوئے کہا۔ "چچا جان ٹیلیفون بند نہ کیجیے، میں آپا جان سے کچھ کہنا چاہتی ہوں ــــ نہیں چچا جان، مجھ سے بات کرتے ہوئے انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی، میں انہیں ایک خوشخبری دینا چاہتی ہوں۔" پھر ایک ثانیہ توقف کے بعد وہ کہہ رہی تھی۔ "آپا جان، میں نے ہسپتال سے آکر بھائی جان کی کتاب کا مسودہ ان کے سوٹ کیس سے نکال لیا تھا۔ اور اس وقت سے پڑھ رہی ہوں۔ مجھے یہ یقین ہو گیا تھا۔ کہ بھائی جان بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔ اس مسودے کا ہر صفحہ یہ گواہی دیتا ہے۔ کہ بھائی جان جیسے مصنف دیر تک زندہ رہتے ہیں۔ اور جب آپ یہ مسودہ پڑھیں گی تو آپ کو بھی اطمینان ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اگر کسی کو کسی بڑے کام کے لئے پیدا کرتا ہے تو اسے کام کرنے کی مہلت بھی دیتا ہے۔ آپا جان! اب میں اس بات پر فخر کیا کروں گی۔ کہ اس عظیم ناول نگار کو سب سے پہلے میری بہن نے پہچانا تھا۔ لیکن آپا جان، مجھے یقین تھا کہ چچی بلقیس چچا جان کے ساتھ آئیں گی۔ اگر وہ یہاں ہیں تو انہیں ٹیلی فون دیجیے میں سلام کرنا چاہتی ہوں۔ نہیں نہیں۔ اگر وہ بھائی جان کے پاس بیٹھی ہوئی ہیں تو انہیں تکلیف دینے کی ضرورت نہیں وہ بہت تھک گئی ہوں گی۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ڈرائیور انہیں ہسپتال جا کر لے آئے۔ کیونکہ

یہ ہو سکتا ہے کہ چچا جان جلدی نہ آ سکیں۔ آپ کی آواز سن کر مجھے اطمینان محسوس ہوتا ہے میں اور امی جان بہت جلد آ جائیں گی۔ نہیں۔ نہیں۔ جب تک بھائی جان ٹھیک نہیں ہو جاتے۔ ہم کسی کو بھی حادثے کی اطلاع نہیں دیں گے۔ اچھا۔ آپا جان، خدا حافظ۔"

نسرین نے ریسیور رکھ دیا۔ تو نصیر الدین نے کہا۔

"دیکھو بیٹی، وہ مسوّدہ جانے سے پہلے میرے تکیے کے نیچے رکھ دینا۔ میرے لئے بیکار پریشان ہونے کے بجائے پڑھنا بہتر ہوگا۔"

"ابا جان، یہ بالکل ایک نئی چیز ہے۔ آپ پڑھ کر بہت خوش ہوں گے۔ یہ مسلمانوں کے عروج و زوال کی ایک دلچسپ کہانی ہے۔"

نماز سے تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر جمیل اور بلقیس گھر پہنچ گئے۔

صفیہ نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔ "میرا خیال تھا کہ آپ فہمیدہ کو اپنے ساتھ لے کر آئیں گے۔"

"بھابی جان" ڈاکٹر جمیل نے جواب دیا۔ "اس وقت یہ ممکن نہیں تھا۔ ہمارے اصرار پر اس نے ناشتہ کر لیا تھا۔ لیکن وہ یہ کہتی تھی کہ مجھے تھکاوٹ اور بے خوابی سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور یوسف کی تیمار داری سے میں بیمار بھی نہیں ہو سکتی۔"

بلقیس بولی۔ "ہاں بہن، جب میں نے زیادہ اصرار کیا تھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور میں فہمیدہ کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتی۔ جمیل بھائی یہاں چائے پیتے ہی آپ کو اپنے ساتھ لے جائیں گے، ڈاکٹر کمال الدین نے دوپہر کے کھانے کے لئے کہا ہے۔ اس لئے بھائی جان اور ظہیر وہاں پہنچ جائیں گے۔ پھر ہم کوشش کریں گے کہ فہمیدہ گھر آ کر آرام کرنے پر رضامند ہو جائے۔"

نصیر الدین نے پوچھا۔ "یوسف کو ہوش میں آنے میں کتنی دیر لگے گی؟"

ڈاکٹر جمیل نے جواب دیا: "بھائی جان! ایسی حالت میں کوئی بات وثوق سے نہیں کہی جا سکتی۔ لیکن میں ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے یہ اطمینان دلا سکتا ہوں کہ ان کی حالت خطرے سے باہر ہے اور وہ بتدریج بہتر ہو رہے ہیں، لیکن انہیں کافی دیر آرام کرنا پڑے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہم اس کے والد کو اطلاع کر دیں؟"

بلقیس بولی۔ "نہیں بھائی جان! ابھی انہیں پریشان کرنا ٹھیک نہیں۔ میں روانہ ہونے سے پہلے امینہ کو فون کرنا چاہتی تھی۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ مجھے بروقت عقل آئی تو میں نے نوکر کو بھی یہ نہیں بتایا کہ ہم اچانک کیوں جا رہے ہیں۔"

دوپہر کے وقت وہ سب ڈاکٹر کمال الدین کے دسترخوان پر بیٹھے ہوئے تھے اور اس اطلاع سے بہت اطمینان محسوس کر رہے تھے۔ کہ یوسف کا بخار بتدریج کم ہو رہا ہے اور نئی دوائی جو ڈاکٹر جمیل نے تجویز کی تھی کافی فائدہ مند ثابت ہو رہی ہے۔ بلقیس نے یوسف کو دیکھتے ہی یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ اسے ہوش میں آتے ہی لاہور لے جائیں گے اور اب وہ سب کے سامنے اپنا فیصلہ دہرا رہی تھی۔ فہمیدہ نے مغموم نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تو اس نے فوراً کہا۔ "میں اس لئے کہہ رہی ہوں کہ یوسف صاحب کو گھر سے زیادہ ہسپتال میں آرام نہیں ملے گا۔ اور جب یہ گھر آئیں گے تو مجھے اور بیٹی فہمیدہ کو اس کی تیمارداری کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہو گا اور منظور صاحب کی بیوی بھی وہاں موجود ہو گی۔"

نسرین بولی۔ "چچی جان، آپ نے میرے متعلق کچھ نہیں کہا۔"

"تمہارے متعلق میں یہ کیسے بھول سکتی ہوں کہ تمہیں بھائی بے حد عزیز ہے لیکن مجھے یہ بھی یقین ہے کہ تم یوسف سے دور رہ کر اس کے لئے زیادہ دعائیں کیا کرو گی اور میں تمہیں باقاعدہ فون پر اطلاع دیتی رہا کروں گی۔ جب تمہارے بھائی ہوش میں آ جائیں گے۔ سب سے

پہلا ٹیلی فون وہ اپنی شہزادی بہن کو کریں گے۔"

"چچی جان، آپ ٹھیک کہتی ہیں، جب وہ اچانک امرتسر کے اسٹیشن پر بچھڑ گئے تھے۔ تو مجھے ان سے دوبارہ ملنے کی کوئی امید نہیں تھی تو میں دعائیں کیا کرتی تھی اور ایک دن یہ دعائیں قبول ہو گئی تھیں۔ اب بھی میں یہ دعا کیا کروں گی کہ میں جب بھی لاہور آؤں تو مجھے چچا جان کے گھر میں داخل ہوتے ہی بھائی جان اور آپا جان کے قہقہے سنائی دیں۔"

ڈاکٹر کمال الدین نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "جمیل صاحب! آپ اطمینان سے ان کے ساتھ باتیں کریں۔ میں ابھی راؤنڈ کر کے واپس آتا ہوں۔"

وہ چلا گیا تو نصیر الدین نے جمیل سے مخاطب ہو کر کہا۔ "بھئی ایک اہم مسئلہ ابھی تک ہم میں سے کسی کے ذہن میں نہیں آیا۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ ایسے حالات بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ تو میں ایک دن کے لئے بھی فہمیدہ کی رخصتی ملتوی نہ کرتا۔"

منظور بولا۔ "آپ کو اس مسئلہ پر قطعاً پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ جب یوسف صاحب زخمی ہوئے تھے تو اس وقت ہی میں نے اس مسئلہ پر سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دیا تھا۔ بدلتے ہوئے حالات میں ہمیں صرف یہ سوچنا ہے کہ ہم کس طرح ایک غیر ضروری رسم سے دامن بچا سکتے ہیں، میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ بھائی یوسف اور بہن فہمیدہ دونوں رسمی دکھاوے کو پسند نہیں کرتے۔" ڈاکٹر کمال الدین کمرے میں داخل ہوا۔ نصیر الدین نے اسے ہاتھ سے اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی نہیں۔ یوسف اگر نکاح کے فوراً بعد اٹھ کر صرف اتنا کہہ دیتا کہ میری دلہن کو آج ہی میرے ساتھ روانہ ہونا چاہیئے تو بھی میں اس بات کی پروا نہ کرتا کہ دوسرے کیا کہیں گے۔ میرے نزدیک دلہن کی بارات کے لئے صرف دولہا کا ہونا کافی ہے۔ لیکن اگر مجھے یہ اطلاع ملتی کہ یوسف لاہور یا کسی اور شہر کے ہسپتال میں پڑا ہوا ہے اور اس کی حالت مخدوش ہے تو میں اس کے باپ کو

فوراً تار دیا میں فہمیدہ کو لے کر آرہا ہوں۔ اس لئے تم اس جگہ اپنی بہو کے استقبال کے لئے پہنچ جاؤ۔ اور مجھے یہ اطمینان ہوتا کہ اگر میں بیٹی کی رخصتی کا اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ سوچتا تو وہ غلط ہوتا۔ بیٹی فہمیدہ! مجھے ہمیشہ اس بات پر ندامت رہے گی۔"

ڈاکٹر کمال الدین نے جمیل سے مخاطب ہو کر کہا "یوسف کی حالت میں کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔ میں نے سر کے مزید ایکسرے لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ کل صبح انبالہ سے دو ڈاکٹر یہاں پہنچ جائیں گے۔ وہ دونوں تجربہ کار سرجن ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ان سے بھی مشورہ لیا جائے۔"

جمیل نے جواب دیا "بھئی میں پہلے یہ سوچ رہا تھا کہ مجھے یوسف کے ہوش میں آنے تک یہیں ٹھہرنا چاہیئے۔ میں دو تین ہفتوں کی چھٹی لے لوں گا۔ اس کے بعد اگر آپ نے مجھ سے اتفاق کیا تو اسے میں لاہور لے جاؤں گا۔"

ڈاکٹر کمال الدین نے کہا "ایسے میں مریض کو کسی وقت اچانک ہوش آسکتا ہے۔ اس لئے میں نے اسے فوری طور پر پرائیویٹ وارڈ میں منتقل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس سے تیمارداری کرنے والوں کو بھی کچھ آرام مل جائے گا۔"

اور اس سے اگلے دن انبالہ سے آنے والے ایک کرنل اور ایک میجر نے یوسف کا معائنہ کرنے اور نئے اور پرانے ایکسرے دیکھنے کے بعد مریض کی حالت کے متعلق اطمینان کا اظہار کیا۔ اور فہمیدہ اور اس کے والدین کو تسلی دی۔

تیسرے روز آدھی رات کے قریب فہمیدہ، یوسف کے بستر کے قریب کرسی پر بیٹھی اپنے دل میں یہ الفاظ بار بار دہرا رہی تھی:

"یا اللہ! یوسف کو صحت دے! یا غفور رحیم! تجھ سے زیادہ کسے معلوم نہیں کہ میں کس قدر بے بس ہوں اور اس دنیا میں تیرے سوا ایک بے بس لڑکی کا سہارا اور کون ہے؟"

پھر اپنی دعاؤں کے ساتھ اسے ماضی کے وہ لمحات بھی یاد آنے لگے۔ جب وہ یوسف کی تحریر کے آئینے میں اس کی دھندلی سی تصویر دیکھا کرتی تھی اور جب پہلی ملاقات میں ہی اس کی شخصیت اس کے دل و دماغ پر چھا گئی تھی۔ اچانک اسے ایسا محسوس ہوا کہ یوسف کے حلق سے کوئی مبہم سی آواز نکلی ہے تو اس نے اضطراب کی حالت میں یوسف کا دایاں ہاتھ پکڑ لیا۔ جس کی حرکت سے بے چینی ظاہر ہو رہی تھی۔ چند ثانیے گزر گئے تو اُسے یوسف کے ہونٹوں پر جنبش کے ساتھ ساتھ ایک ہلکی تھکی ہوئی آواز بھی سنائی دینے لگی: "فہمیدہ! فہمیدہ! فہمیدہ!" اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپکنے لگے۔

اس نے یوسف کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور وہ لرزتی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی: "یوسف! میں یہاں ہوں۔ یوسف! آنکھیں کھول کر دیکھو۔ تم نے اتنی دیر میرے آنسو اور میری سسکیاں کیسے برداشت کیں۔ یوسف! اللہ نے میری دعا قبول کر لی ہے۔ اور اب کوئی میری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھے گا۔"

یوسف نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں اور کچھ دیر ایک سکتے کے عالم میں فہمیدہ کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ کہہ رہی تھی: "یوسف! خدا کے لئے اسی طرح میری طرف دیکھتے رہو۔ میرے لئے اس دنیا میں تمہاری نگاہوں سے دور رہنا ایک بہت بڑی سزا ہے۔"

یوسف نے اپنا دوسرا ہاتھ بھی اس کے ہاتھوں پر رکھ دیا۔ اور قدرے توقف کے بعد بولا: "ہم کہاں ہیں؟"

"ہم ہسپتال میں ہیں۔ آپ کو زخمی حالت میں یہاں لایا گیا تھا۔ اس وقت آپ کو ایک دوائی پلانا ضروری ہے۔ پھر آپ اطمینان سے میری باتیں سنتے رہیں۔ ڈاکٹر صاحب کہتے تھے کہ آپ کے لئے زیادہ باتیں کرنا ٹھیک نہیں۔ بہت کمزور ہو

گئے ہیں نا آپ۔"

نرس کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے دیکھتے ہی کہا: "خدا کا شکر ہے۔ میں ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دیتی ہوں۔"

فہمیدہ بولی: "سسٹر! میں انہیں بُلا لاتی ہوں۔ آپ اِنہیں دوائی پلا دیں۔" نرس نے یوسف کو دوائی کا ایک گھونٹ پلا دیا۔ فہمیدہ نے اٹھتے ہوئے یوسف سے کہا: "ڈاکٹر کمال الدین اور چچا جمیل آپ کا علاج کر رہے ہیں۔ میں انہیں بلاتی ہوں۔"

اگلی صبح یوسف اپنے بستر پر ناشتہ کر رہا تھا۔ اور نسرین اور فہمیدہ اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ نسرین کا چہرہ کبھی مسرت سے چمک اٹھتا اور کبھی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو جاتیں: "بھائی جان!" وہ شکایت کر رہی تھی۔ "یہ کتنی زیادتی تھی کہ میرے سوا سب کو معلوم ہو چکا تھا کہ آپ کو ہوش آ چکا ہے۔ باجی، امی جان، چچا جمیل، ڈاکٹر کمال الدین اور منظور صاحب آپ کو دیکھ چکے تھے اور میں سو رہی تھی۔"

فہمیدہ بولی۔ "نسرین! تم بہت تھکی ہوئی تھیں اس لئے میں نے تمہیں نہیں جگایا تھا۔ میں نے دوسروں کو بھی منع کر دیا تھا۔ تمہیں آرام کی ضرورت تھی اور میں بھی چاہتی تھی کہ اگر تم اپنے بھائی جان کو زیادہ بہتر حالت میں دیکھو گی تو تمہیں زیادہ خوشی ہوگی۔"

"آپا جی! مَیں نے یہ نہیں کہا کہ میں خوش نہیں ہوں۔ مجھے آپ سے یہ شکایت ہے کہ میں ساری رات آپ کے ساتھ رہنا چاہتی تھی، لیکن آپ نے زبردستی مجھے امی جان اور چچی جان کے ساتھ بھیج دیا تھا۔ اگر آپ نے باقی سب کے ساتھ مجھے بھی جگا دیا ہوتا تو اس سے کیا فرق پڑ جاتا۔ آپ نے یہ سوچا بھی نہیں۔ کہ جب بھائی جان ہوش میں آ کر آنکھیں کھولیں گے اور بات کریں گے تو مجھے کتنی خوشی ہوگی۔ اور آپا جان میں سوئی

کہاں تھی۔ میں نے یہاں سے جا کر پہلے نماز پڑھی تھی اس کے بعد دیر تک سربسجود ہو کر دعائیں کرتی رہی۔ اس کے بعد بستر پر لیٹ کر دیر تک سسکیاں لیتی رہی۔ کاش، آپ وہ الفاظ سن سکتیں جو سسکیوں کے ساتھ میری زبان سے نکل رہے تھے۔"

"میری شہزادی بہن! پھر بھی تم کو اس بات پر خوش ہونا چاہئے کہ یوسف صاحب کو تمہاری دعاؤں سے ہوش آ رہا تھا۔"

یوسف نے کہا۔ "ہاں نسرین! تمہاری آپا ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ تمہاری دعاؤں اور سسکیوں کے باوجود مجھے ہوش نہ آتا؟"

ایک ہفتہ بعد یوسف ہسپتال سے نصیرالدین کے گھر منتقل ہو چکا تھا۔ شام کے وقت ڈاکٹر کمال الدین اور ڈاکٹر جمیل کے علاوہ ہسپتال کے دو اور ڈاکٹر ان کے ہاں چائے پی رہے تھے۔ گفتگو کا موضوع ڈاکٹر کمال الدین کا کامیاب اپریشن تھا۔ ڈاکٹر جمیل نے کہا۔ "کمال! بھئی' اس لحاظ سے تم بہت خوش قسمت ہو کہ نسرین نے تمہیں ایک عظیم ڈاکٹر تسلیم کر لیا ہے۔ وہ اگر خوش ہو کر کسی کی تعریف شروع کر دے تو وہ بہت جلد مشہور ہو جاتا ہے۔ بس اب آپ کو صرف یہ بتانا پڑے گا۔ کہ آپ نے کس طریقے سے یوسف کے جسم کے خطرناک حصے سے گولی نکالی تھی۔ مَیں اُسے بُلاتا ہوں۔"

"نسرین! ادھر آؤ!" اس نے بلند آواز میں کہا۔

نسرین جو دوسرے کمرے میں خواتین کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ فوراً وہاں آ گئی۔ تو جمیل نے مسکراتے ہوئے کہا: "نسرین! تم ڈاکٹر کمال الدین کے کامیاب اپریشن پر بہت خوش ہو نا۔"

"چچا جان! ہم سب خوش ہیں اور میں سب کی طرف سے ان کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔"

جمیل نے کہا۔ "لیکن بیٹی، نہیں تو شاید یہ بھی معلوم نہیں، کہ انہوں نے وہ گولی کس طرح نکالی تھی؟"

"چچا جان، میں یہ کیسے جان سکتی ہوں۔ یہ تو ڈاکٹر صاحب ہی جانتے ہوں گے۔"

"لیکن، بیٹی! مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ آپ نے اتنی اہم بات کیوں نظرانداز کر دی؟"

"چچا جان! اگر ڈاکٹر صاحب خفا نہ ہوں تو میں اب پوچھ لیتی ہوں۔" نسرین نے جواب طلب نگاہوں سے کمال الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر کمال قدرے توقف کے بعد بولا "بھئی ڈاکٹروں کے بعض راز ایسے ہوتے ہیں۔ جو ہم ہمیشہ لوگوں پر ظاہر نہیں کئے جاتے۔ لیکن تم اگر قریب آ جاؤ تو میں تمہارے کان میں بتا سکتا ہوں۔"

نسرین جھجکتی ہوئی آگے بڑھی اور ڈاکٹر کمال الدین کے قریب کھڑی ہو گئی۔ ڈاکٹر کمال الدین نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنا منہ اس کے کان کے قریب کرتے ہوئے آہستہ سے کہا:

"آپ نے کبھی ان لمبی چونچ والے پرندوں کے متعلق سنا ہے۔ جو درخت کے کسی حصے میں چھید کر کے اندر چھپے ہوئے کیڑوں کو نکال لیتے ہیں۔"

نسرین نے پریشان ہو کر کہا۔ "جی! میں نے سنا ہے۔"

"صرف سنا ہے، دیکھا نہیں؟"

"جی، دیکھا بھی ہے۔"

"پھر میں آپ کو یہ بتا سکتا ہوں کہ میں نے یوسف صاحب کی خطرناک گولی نکالنے کے لئے اپنی چونچ استعمال کی تھی، اور میں خوشی سے آپ کو اس بات کی اجازت دیتا ہوں۔ کہ آپ مجھے ڈاکٹر کمال الدین کے علاوہ ڈاکٹر چونچ بھی کہہ سکتی ہیں۔"

نسرین کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ بھاگتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

ایک ڈاکٹر نے سوال کیا۔ "سر، کیا کہا آپ نے اُس کو؟"

کمال الدین نے جواب دیا۔ "بھئی یہ ایک راز ہے۔ جو اس وقت ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔"

نصیر الدین نے ڈاکٹر کمال الدین سے مخاطب ہو کر کہا: "ڈاکٹر صاحب، مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے موزوں الفاظ نہیں ملتے۔ جب یوسف بے ہوش تھا تو ہم یہ پروگرام بنا رہے تھے کہ اگر اسے اچانک لاہور منتقل کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو ہم ان کے والد اور خاندان کے چند بڑے آدمیوں کو یہاں بلا لیں گے۔ تاکہ ان کے بیٹے کے ساتھ ہو کر بھی رخصت کیا جا سکے۔ لیکن آپ کی کوششوں کے باعث ہم ایک پریشان کن صورت حال کا سامنا کرنے سے بچ گئے ہیں۔ اب ہم اطمینان سے اپنی بیٹی کو رخصت کر سکیں گے۔ آپ کے خیال میں یوسف صاحب کتنے دنوں تک لاہور تک سفر کرنے کے قابل ہو جائیں گے؟"

کمال الدین نے کہا۔ "جی مجھے امید ہے کہ ایک ہفتہ تک یہ سفر کے قابل ہو جائیں گے لیکن لاہور پہنچ کر انہیں چند ہفتے آرام کرنا پڑے گا۔ اگر مجھے یہ اطمینان نہ ہوتا کہ لاہور میں ڈاکٹر جمیل انہیں ہر روز دیکھ لیا کریں گے تو میں انہیں اسی گھر میں چند ہفتے اور آرام کا مشورہ دیتا۔"

جمیل نے کہا۔ "بھائی صاحب، میں چھٹی منسوخ کروا کے واپس لاہور جا رہا ہوں۔ امید ہے کہ چھ سات دن بعد دوبارہ یہاں آ کر یوسف صاحب کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

نصیر الدین بولا، "کل ہم نے منظور احمد کو بھیج دیا تھا اور امید ہے۔ اس نے مناسب طریقے سے یوسف کے والد اور دوسرے عزیزوں کی تسلی کر دی ہوگی۔ عبدالکریم صاحب سے ٹیلی فون پر میری بات ہو گئی تھی انہوں نے بھی یہی مشورہ دیا تھا کہ موجودہ حالات میں ہمیں یوسف کے زخمی ہو جانے کے واقعات کو زیادہ مشتہر نہیں کرنا چاہیئے۔ بھائی عبدالعزیز نے بھی یہی تاکید کی ہے۔ وہ کہتے تھے۔ کہ یوسف پر حملہ کرنے والوں میں سے ایک جرائم پیشہ پیر کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور اس کے باقی ساتھی بھی جلد پکڑے جائیں گے اور پیر کو کے شاہ کے جو خاص چیلے اس کے ساتھ رہتے تھے ان میں سے ایک وعدہ معاف گواہ بن گیا ہے۔"

چھ دن بعد وہ دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے۔ کہ دوسرے کمرے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ نصیرالدین اٹھا اور دو منٹ باتیں کرنے کے بعد واپس آکر بولا۔

"جمیل شام کو یہاں پہنچ رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یوسف اور آپا بلقیس صبح میرے ساتھ لاہور آنے کے لئے تیار رہیں۔"

نسرین بولی۔"ابا جان، ہمیں بھائی جان اور چچی جان کو رخصت کرنے کے لئے سٹیشن تک جانے کی اجازت ہوگی نا؟"

"بیٹی، تم یہ کیوں پوچھ رہی ہو۔ میں نے پہلے کبھی تمہیں منع کیا ہے؟"

"ابا جان، میں اس لئے پوچھ رہی تھی۔ کہ اگر آپ نے آپا جان کو اجازت نہ دی تو یہ اچھی بات نہیں ہوگی۔"

بلقیس بولی۔"نسرین تمہارے ذہن میں ہمیشہ کوئی نئی بات آتی ہے۔ تمہیں یہ کیسے خیال آیا کہ بھائی جان، فہمیدہ کو ہمارے ساتھ اسٹیشن تک جانے سے منع کر دیں گے۔"

نسرین بولی۔"چچی جان، میں در اصل آپا جان کو یہ تسلی دینا چاہتی تھی کہ انہیں بھائی جان کو گھر کی بجائے ریلوے اسٹیشن پر جا کر الوداع کہنے کی اجازت مل جائے گی۔"

فہمیدہ نے نسرین کے بازو پر چٹکی لی اور وہ اوئی کہہ کر ایک طرف ہٹتے ہوئے بولی۔"آپا جان، میں نے ایسے ہی یہ بات کہدی تھی ورنہ مجھے یقین ہے کہ امی اور ابو آپ کو ضرور لے جائیں گے۔" پھر وہ یوسف سے مخاطب ہوئی۔

"بھائی جان! میں امتحان میں اول آنے کا وعدہ کر چکی ہوں ورنہ چچی جان کو مجبور کرتی اور وہ کسی نہ کسی بہانے مجھے اپنے ساتھ لے جاتیں، لیکن بھائی جان! میں آپ کے لئے بہت دعائیں کیا کروں گی اور آپ کو معلوم ہے کہ جو لوگ میری آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق میری دعائیں ضرور سنی جاتی ہیں۔ اور ہاں بھائی جان! مجھے ڈر ہے کہ آپ کو رخصت کرتے وقت ایک بات سب بھول جائیں گے اور وہ یہ ہے کہ آپ کے مسودے

کے متعلق چچا جمیل نے کہا تھا کہ یہ ایک قیمتی چیز ہے۔ اس لئے میں اس کی حفاظت کروں گا۔"

"جمیل صاحب نے وہ مسودہ پڑھا تھا؟"

"ہاں بھائی جان! انہوں نے بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھا تھا اور آپ کے متعلق یہ کہا تھا کہ آپ بہت بڑے رائٹر بننے والے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ جب وہ دوبارہ آئیں گے تو آپ کا پہلا مسودہ بھی پڑھنے کے لئے ساتھ لے جائیں گے اور اطمینان سے پڑھیں گے۔ بھائی جان! آپ فکر نہ کریں چچا جان آپ کے مسودے گم نہیں ہونے دیں گے۔"

نصیرالدین نے مسکراتے ہوئے کہا۔"بیٹی! تمہارے چچا تم سے زیادہ ہوشیار ہیں۔"

بلقیس بولی۔"کالج میں داخل ہونے سے پہلے جمیل بھی بڑی دلچسپ کہانیاں لکھا کرتا تھا لیکن میڈیکل میں داخل ہونے کے بعد اس نے اس طرف توجہ نہیں دی۔ بہر حال میرے لئے خوشی کی بات ہے کہ وہ کسی معمولی تصنیف کی تعریف نہیں کر سکتا۔"

صفیہ بولی۔"جمیل نے ڈاکٹر کمال الدین اور نسرین کے ابا جان کے سامنے بھی آپ کی تعریف کی تھی۔ اور مجھے بے حد خوشی ہوئی تھی۔"

اگلی صبح یوسف، بلقیس اور جمیل فرسٹ کلاس کے ریزرو ڈبے میں لاہور جانے کے لئے سوار ہو رہے تھے۔ جمیل گذشتہ شام لاہور سے کار پر آیا تھا۔ ڈاکٹر کمال الدین سے مشورہ کرنے کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ یوسف کے لئے گاڑی کا سفر کرنا ہی زیادہ آسان ہوگا۔ چنانچہ کار واپس بھیج دی گئی۔ یوسف کو ایک سیٹ پر لٹا دیا گیا تھا۔ روانہ ہونے سے دو دن قبل عبدالعزیز کی طرف سے یہ اطلاع مل چکی تھی کہ وہ چار دن بعد دس دن کی چھٹی لے کر گھر آئیں گے۔

نسرین نے فہمیدہ کا بازو پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے کہا۔ "آپا جی! آپ کو ابھی تک وہ کام یاد نہیں آیا؟ اور گاڑی بھی چلنے والی ہے۔"

"نسرین! وہ کام مجھے یاد ہے، وہ خط بھی میں ساتھ لے آئی ہوں، لیکن میں جب تمہارے بھائی جان کو دیکھتی ہوں تو کچھ کہنے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔"

یوسف نے پریشان سا ہو کر کہا۔ "دیکھیں جی، اگر کوئی بات میرے متعلق ہے تو آپ کو بلا تاخیر کہہ دینی چاہیئے۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "جس دن آپ ہسپتال سے فارغ ہوتے تھے، اسی دن ہمیں آپ کے اباجی کا خط ملا تھا۔ میں نے وہ خط کھول کر پڑھا تو مجھے آپ سے اس کا ذکر کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور اب مجھ پہ ایک اور خوف سوار ہے! اگر میں نے اتنے دن گزرنے کے بعد یہ بات کی تو آپ مجھ پر برس پڑیں گے! اس لئے بات کرنے سے پہلے، میں اپنی زندگی کی پہلی غلطی کے لئے آپ سے معافی مانگ لیتی ہوں۔ ایسی خبر سنانے اور سننے کے لئے بہت حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

یوسف نے غور سے فہمیدہ کی طرف دیکھا اور کہا "جب میں وہاں سے چلا تھا، دادی جان کی صحت ٹھیک نہیں تھی۔ امی جان کی وفات کے بعد میں کچھ وہمی سا ہو گیا ہوں۔ اگر اس خط میں میری دادی جان کے متعلق کوئی خبر نہیں تو یہ اس قدر اہم نہیں ہو سکتا کہ آپ کو بتانے سے پہلے معافی مانگنے کی ضرورت پیش آئے اور اگر دادی جان کے متعلق کوئی تشویش ناک بات لکھی ہے تو بھی آپ کو بتا دینا چاہیئے۔"

فہمیدہ کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے اور اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا، "ان کے خط میں یہ لکھا ہے کہ دادی جان فوت ہو گئی ہیں۔"

یوسف نے اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ راجِعُون کہا اور دیر تک ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

پھر وہ فہمیدہ سے مخاطب ہوا۔ "فہمیدہ! تم نے کوئی غلطی نہیں کی۔ اگر خط مجھے فوراً دکھا دیا جاتا تو اس کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ میں ڈاکٹروں کے مشورے کے خلاف جلد از جلد گھر پہنچنے کی کوشش کرتا اور میری حالت زیادہ خراب ہو جاتی۔"

گاڑی نے وہسل دیا اور وہ اتر پڑیں۔ فہمیدہ نے صفیہ سے مخاطب ہو کر کہا "امی جان! میں نے انہیں بتا دیا ہے اور وہ مجھ سے خفا نہیں ہیں۔ ان کے لہجے سے معلوم ہوتا تھا کہ مجھے یہی کرنا چاہیئے تھا۔"

جب گاڑی لاہور کے ریلوے اسٹیشن پہ آ کر رکی۔ تو سب سے پہلے امینہ اور منظور ان کے ڈبے میں داخل ہوئے۔ وہ یوسف کو سہارا دے کر نیچے اتارنا چاہتے تھے، لیکن اس نے کہا۔

"بھئی! میں ٹھیک ہوں صرف چچی جان کے حکم کی وجہ سے لیٹا ہوا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب سے پوچھ لیجئے، امینہ آپ کا کیا حال ہے؟"

"اللہ کا شکر ہے بھائی جان! چچی جان! مجھے آپ سے ہمیشہ یہ گلہ رہے گا کہ آپ نے جالندھر جاتے ہوئے خبر بھی نہ دی اور منظور صاحب نے بھی کل ہی مجھے یہ بتایا تھا۔"

بلقیس نے جواب دیا۔ "بیٹی! میں جن لوگوں سے پیار کرتی ہوں۔ انہیں بلا وجہ رلانا پسند نہیں کرتی اور منظور نے بھی یہ اچھا کیا ہے کہ آپ کو فوراً نہیں بتایا۔ ہم نے یوسف کے گاؤں میں بھی ابھی تک یہ خبر نہیں بھیجی تھی ورنہ وہ سب لوگ بھی پریشان ہوتے۔ اگر لاہور پہنچنے کا پروگرام جلدی نہ بن جاتا تو میں یقیناً تمہیں ٹیلی فون کرتی۔"

منظور احمد نے سامان قلی کے حوالے کیا اور یوسف نے گاڑی سے اُترنے میں پہل کی۔

تھوڑی دیر بعد وہ کار پر سوار ہو رہے تھے، بلقیس امینہ کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی اور پچھلی سیٹ پر ڈاکٹر جمیل، منظور اور یوسف بیٹھے ہوئے تھے۔

جب امینہ نے گاڑی بائیں ہاتھ موڑی تو بلقیس نے پوچھا۔ "بیٹی! تم ہمیں کہاں لے جا رہی ہو؟"

امینہ نے جواب دیا۔ "چچی جان! ہمارے گھر میں آپ کا انتظار ہو رہا ہے اور آپ کا کھانا بھی وہیں تیار کیا گیا ہے۔ میں نے آپ کے ڈرائیور اور نوکر کو بھی اطلاع دے دی تھی کہ وہ کھانے کے وقت وہاں پہنچ جائیں۔"

عبدالکریم کے گھر سے کھانا کھانے کے بعد یوسف، ڈاکٹر جمیل اور بلقیس کے ساتھ ان کے گھر آ گیا۔ رات کو سفر کی تھکاوٹ کے باعث وہ نیند محسوس کرنے لگا تھا ڈاکٹر جمیل نے اس کا معائنہ کرنے کے بعد اسے نیند آور دوا پلا دی اور وہ بستر پر لیٹتے ہی گہری نیند سو گیا۔

صبح جب وہ نیند سے بیدار ہوا، تو منظور، امینہ اور بلقیس اس کے بستر کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ میں بہت دیر تک سویا رہا ہوں اور میں کوئی بہت لمبا خواب دیکھتا رہا ہوں۔ کروٹ بدلتے وقت میرے خواب کا سلسلہ ٹوٹ جاتا تھا، لیکن جب دوبارہ نیند آتی پھر خواب وہیں سے شروع ہو جاتا تھا۔ میں نے اپنی دادی، دادا اور امی جان کو دیکھا ہے۔ میں نے اپنی اس خوب صورت گھوڑی پر سواری بھی کی ہے۔ جو گاؤں سے میری غیر حاضری کے دوران مر گئی تھی۔ چچی جان، میں ایسا محسوس کرتا تھا کہ میں بالکل تندرست ہو گیا ہوں۔"

"بیٹا! تم بہت جلد تندرست ہو جاؤ گے۔ آپ اب ناشتے کی تیاری کریں۔"

امینہ نے اٹھ کر کہا۔ "میں بھائی جان کے لئے ناشتہ لاتی ہوں۔"

یوسف نے منظور سے پوچھا۔ "منظور صاحب! کیا وقت ہو گیا ہو گا؟"

منظور نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "یار! سوا دس بج چکے ہیں۔ اب تم اٹھو اور ناشتے کی تیاری کرو۔"

یوسف کمرے سے باہر نکلا اور تھوڑی دیر بعد وہ تولئے سے منہ پونچھتا ہوا واپس آیا تو تپائی پر ناشتہ اور چائے رکھی ہوئی تھی۔ اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میرے ساتھ کوئی شریک نہیں ہو گا؟"

منظور نے جواب دیا۔ "بھائی صاحب، ہم دو بار ناشتہ کر چکے ہیں۔ ایک بار گھر سے کر کے آئے تھے اور دوسری بار چچی جان اور ڈاکٹر جمیل کے ساتھ —— وہ اس پر بہت مطمئن تھے کہ آپ گہری نیند سو رہے ہیں۔"

"لیکن مجھے یقین ہے کہ امینہ بہن نے میری خاطر تھوڑی بہت بھوک ضرور باقی رکھی ہو گی۔"

امینہ بولی۔ "بھوک تو بالکل نہیں بھائی جان، تاہم میں آپ کے ساتھ چائے کی پیالی پی لوں گی۔"

ناشتے کے دوران یوسف نے کہا۔ "منظور صاحب! آپ نے ہمارے گھر والوں کو اچھی طرح مطمئن کر دیا تھا کہ میں بخیریت ہوں۔"

"جی ہاں! مجھے کچھ کہنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ آپ کے ابا جان نے مجھے دیکھتے ہی کہہ دیا تھا۔ "یوسف یقیناً نئی کتاب لکھنے میں مصروف ہو گیا ہو گا، اب تو میں بھی یہ دعا کیا کرتا ہوں کہ خدا اس کی محنت میں برکت ڈالے لیکن اگر وہ گھر بیٹھ کر لکھتا تو اسے یہاں زیادہ سکون ملتا۔" —— اور پھر میں نے یہ کہہ دیا تھا کہ "انشاء اللہ! یوسف صاحب تین چار ہفتوں تک یہاں آ جائیں گے۔ میرا خیال ہے کہ اب آپ بھی انہیں خط لکھ دیں۔"

تین ہفتے بعد یوسف صبح کی نماز سے فارغ ہو کر صحن میں ٹہل رہا تھا۔ کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے رسیور اٹھایا۔ تو اسے فہمیدہ کی دلکش آواز سنائی دی۔

"دیکھئے جی! ابا جان نے بہت سویرے کال بُک کی تھی اور اب وہ باہر نکل گئے ہیں۔ امی جان نماز پڑھتے ہی دوبارہ سو گئی تھیں۔ اس لئے اباجان مجھے کہہ گئے تھے کہ جب کال ملے تو بات کر لینا، اباجی اس بات پہ بہت خوش تھے کہ آپ بالکل ٹھیک ہو گئے ہیں اور کل اپنے گھر جا رہے ہیں۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "اُن کا شکریہ۔ لیکن میرے لئے آپ کی خوشی زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔"

"یوسف صاحب! انسان اپنی خوشی اور غم بیان نہیں کر سکتا۔ میں آپ کو صرف یہ بتا سکتی ہوں کہ یہ خوشی مجھے بے حساب آنسوؤں اور ان گنت دعاؤں کے بعد حاصل ہوئی ہے۔ پرسوں جب چچا جمیل کا فون آیا تھا تو میں انتہائی خوشی کے عالم میں بھی رونے لگ گئی تھی۔"

یوسف نے کہا۔ "فہمیدہ! میں دعا کرتا ہوں کہ میں اپنی باقی زندگی میں تمہیں کبھی روتا ہوا نہ دیکھوں اور اگر میرا بس چلے تو میں ساری دنیا میں تمہاری دلکش مسکراہٹیں بکھیر دوں۔"

"دیکھئے جناب! وہ مسکراہٹیں جو آپ کو پسند ہیں۔ میں انہیں اس قدر بے دردی کے ساتھ لٹانا پسند نہیں کروں گی۔ چچا جمیل نے آپ کے مسودے پڑھنے کے بعد مجھے ایک طویل خط بھیجا تھا اور میں خوشی سے پھولی نہیں سماتی تھی۔ ان کے خط سے امی، ابو، نسرین اور باقی سب بھی بہت خوش تھے۔ آپا خالدہ اور محمد عمر بھی اس دن یہاں آئے ہوئے تھے اور ان کی یہ خواہش تھی کہ نسرین چند دن کے لئے ہمارے گاؤں کی سیر کر آئے۔ اس نے پہلے تو انکار کر دیا تھا۔ لیکن جب آپ کا خط ملا کہ آپ کو گھر جانے کی اجازت مل گئی ہے تو وہ اچانک آپا خالدہ کے ساتھ جانے پر تیار ہو گئی۔ رخصت ہوتے وقت وہ میرے کان میں یہ کہہ گئی تھی کہ اگر موقع ملا تو میں عمر یا اُس کے ابو کے ساتھ آپ کے گاؤں ہو آؤں گی۔ آج میں اسے یہ خط لکھ رہی ہوں کہ آپ کل اپنے گاؤں پہنچ جائیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ دریا عبور کر کے اس نے آپ کے گاؤں جانے کا ارادہ کر لیا ہے تو وہ عمر کی طرح اس کے والدین کو بھی اپنا ساتھ دینے پہ آمادہ کر لے گی۔"

یوسف بولا۔ "دیکھو فہمیدہ! اسے خط میں یہ بھی لکھ دیجئے کہ وہ مجھے اپنے پروگرام کی اطلاع ضرور دے۔ تاکہ جب وہ کشتی پر دریا عبور کریں تو انہیں یہاں تک پہنچانے کے لئے دوسرے کنارے پر گھوڑے موجود ہوں۔ میں اس لحاظ سے یقیناً خوش قسمت ہوں کہ تمہارے خاندان کے دوسرے لوگوں کی طرح ڈاکٹر جمیل صاحب بھی مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ انہوں نے بڑے غور سے مسودے پڑھے ہیں اور کہیں کہیں میری اصلاح بھی کر دی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ وہ دوبارہ پڑھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے جو ذمہ داری میں آپ کو سونپا کرتا تھا وہ انہوں نے اپنے ذمہ لے لی ہے۔"

فہمیدہ بولی۔ "آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جس چیز کو میں پسند کروں وہ میرے چچا ناپسند نہیں کر سکتے۔"

"جناب، اس دنیا میں کوئی انسان بھی آپ کی پسندیدہ چیز کو ناپسند نہیں کر سکتا اور شاید یہی وجہ ہے کہ لوگ مجھ جیسے بے کار آدمی کو بھی پسند کرنے لگے ہیں۔"

"دیکھیئے جی، میرے سامنے آپ کو بے کار کہنے کی جرأت کوئی نہیں کر سکتا۔ اور ہاں! میں آپ سے یہ درخواست کرنا چاہتی تھی کہ آپ گھر پہنچ کر مجھے ہفتے میں کم از کم ایک دو بار ضرور خط لکھ دیا کریں۔"

"کوشش تو یہی کروں گا کہ ہر روز لکھا کروں ، لیکن اگر نئی کتاب لکھنے کا موڈ زیادہ غالب آگیا تو میں ہر ہفتہ کی مکمل ڈائری آپ کو بھیجا کروں گا۔"

"خدا کے لئے ڈائری ضرور لکھا کریں ۔ میں سب کو آپ کا سلام کہہ دوں گی ۔ خدا حافظ!"

"خدا حافظ!!"

کمسن مہمان

گاڑی اسٹیشن پر رکی ۔ یوسف کے گاؤں کے چند آدمی اُسے ایک ڈبے کے دروازے کے سامنے کھڑا دیکھ کر آگے بڑھے ۔ یوسف اپنا سوٹ کیس اٹھائے گاڑی سے اترا اور ایک آدمی نے بھاگ کر اس کے ہاتھ سے یہ سوٹ کیس تھام لیا۔

پانچ منٹ بعد گاڑی روانہ ہو چکی تھی اور یوسف پلیٹ فارم سے نیچے اتر کر اپنا خیر مقدم کرنے والوں کی طرف متوجہ ہُوا:

"آپ سب گھر جائیں۔ اور وہاں یہ بتا دیں کہ میں قبرستان سے ہو کر آؤں گا۔"

یوسف کے ایک چچا نے کہا: "بھئی! میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا۔"

"بہت اچھا، آپ آسکتے ہیں۔ لیکن میں فاتحہ سے فارغ ہونے سے پہلے کوئی بات نہیں کروں گا۔ اگر آپ میری کسی بات سے پریشان ہو جائیں تو بھی جب تک میں خود بات نہ کروں، آپ کو خاموش رہنا پڑے گا۔ لیکن باقی سب اپنے اپنے گھروں کو جائیں۔ میں انشاء اللہ جلد ہی پہنچ جاؤں گا۔"

چند منٹ بعد یوسف اور اس کا چچا دائیں ہاتھ مڑے اور ان کے راستے دوسرے آدمیوں سے جُدا ہو گئے۔ ہوا بہت خوشگوار تھی اور حدِ نگاہ تک گندم کے کھیت لہلہا رہے تھے۔

نصف گھنٹہ بعد یوسف قبرستان کے اندر ایک نئی قبر کے پاس کھڑا تھا۔

اور وہ آنسو جنہیں اس نے دیر سے روک رکھا تھا، آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں سے ٹپک رہے تھے۔ اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ کر سسکیاں لیتے ہوئے کہا:

"دادی جان! میری زندگی میں ایسا وقت کبھی نہیں آیا تھا، جب میں نے آپ کو دیکھنے، آپ کی آواز سننے اور آپ سے باتیں کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی، آپ کے سامنے مجھے یہ احساس کبھی نہیں ہوا تھا کہ میں بڑا ہو گیا ہوں میں وہی چھوٹا سا لڑکا ہوں جسے آپ چاندنی راتوں میں اٹھا کر مکان کی چھت کے اوپر لے جایا کرتی تھیں اور مجھے چاند دکھاتے ہوئے بار بار یہ دعا کرتی تھیں: "یا اللہ! جس طرح لوگ چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہیں اسی طرح میرے اس پوتے کو دیکھا جائے اور یوسف کے لئے وہی دعائیں کریں جو میں کرتی ہوں" —— نہیں! دادی جان! اب میرے لئے کوئی یہ دعا نہیں کرے گا —— اور امی جان! جنہوں نے میرے لئے دعا کرنا آپ سے سیکھا تھا، وہ آپ سے پہلے جا چکی ہیں —— دادی جان! میں وہی چھوٹا سا یوسف ہوں، جسے قدم قدم پر دادا جان، چچا شیر علی، امی جان اور آپ کی دعاؤں کی ضرورت تھی —— اللہ، آپ کو، امی جان کو، دادا جان کو اور چچا شیر علی کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور اللہ! مجھے یہ سعادت عطا فرماتے کہ میں اپنے متعلق ان کی تمام نیک خواہشات پورا کر سکوں —— رب العالمین! مجھے قیامت کے دن اپنے خاندان کے بزرگوں کے سامنے شرمسار نہ کیجیو!!"

تھوڑی دیر میں گاؤں کے چند آدمی تازہ پھول لے کر وہاں پہنچ گئے۔ یوسف نے یکے بعد دیگرے پھولوں کا ایک ایک گچھا پکڑ کر اپنے دادا، چچا اور دادی

کی قبروں پر رکھ دیا اور کچھ پھول دوسری قبروں پر بکھیر دیئے۔

قبرستان سے نکلتے ہوئے یوسف کا چچا کہہ رہا تھا:

"یوسف بیٹا! وہ آخری وقت تک تمہارا انتظار کرتی رہیں اور بے ہوشی کی حالت میں بھی ان کی زبان سے یہ الفاظ نکل رہے تھے کہ میرا یوسف، ابھی تک نہیں آیا اگر وہ خیریت سے ہوتا تو بہت پہلے آ چکا ہوتا۔ تمہاری چچی کہتی تھی کہ جب ان کا آخری وقت آ چکا تھا تو بھی وہ یہ کہہ رہی تھیں کہ یا اللہ! یوسف کو لمبی عمر دے"

———

گاؤں میں پہنچ کر جب وہ اپنے والد کے سامنے پیش ہوا۔ تو انہوں نے دیکھتے ہی کہا، "بیٹا! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟"

"اباجی! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اس بات سے میری صحت پر ضرور اثر پڑا ہے کہ میں نے سیر اور ورزش کی عادت ترک کر دی تھی۔ اور لکھنے پڑھنے میں زیادہ مصروف رہا۔ اب میں انشاءاللہ یہاں رہ کر یہ کمی پوری کروں گا۔ اور لکھنے پڑھنے کے علاوہ سواری پر بھی توجہ دیا کروں گا۔ اگر لاہور میں سواری کا کوئی انتظام ہو سکتا تو میری صحت بالکل ٹھیک رہتی۔"

عبدالرحیم نے جواب دیا۔ "بیٹا! میرا خیال ہے کہ عبدالعزیز صاحب کی کشادہ حویلی میں ایک گھوڑے کے لیے جگہ نکل سکتی تھی اور ہم یہاں سے ایک نوکر کے ساتھ گھوڑا بھیج سکتے تھے۔ اس سے زیادہ آسان یہ بات ہوتی کہ میں میاں عبدالکریم کو لکھ دیتا اور وہ سارے انتظام کر دیتا۔"

"اباجی! وہ تو کوئی مشکل بات نہیں تھی۔ لیکن میں اپنے کام میں کچھ زیادہ ہی مصروف ہو گیا تھا۔ اب میں چند گھنٹے کام کیا کروں گا۔ اور صبح و شام گھوڑے پر سواری کیا کروں گا۔"

عبدالرحیم نے اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا، "بیٹا! منظور احمد یہاں آیا تھا۔ تو اس نے بھی یہی کہا تھا کہ تم بہت مصروف ہو۔ تاہم مجھے اس کی باتوں سے کچھ شک گزرا تھا کہ شاید تم بیمار ہو۔"

"اباجی! دو چار دن تک میں آپ کو بیمار نظر نہیں آؤں گا۔"

"بیٹا! تم نے اپنا نیا مکان دیکھ لیا ہے، جسے میں جلد از جلد آباد دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"میں دیکھ آیا ہوں اباجی۔ اور مجھے یقین نہیں تھا کہ نیا مکان اتنی جلدی تیار ہو جائے گا۔"

"بیٹا! ہم نے اپنی عقل کے مطابق ایک فوری ضرورت پوری کرنے کا انتظام کر لیا ہے اور آئندہ اس کی توسیع تمہاری خواہش کے مطابق ہوگی۔ میں یہ دعا کرتا رہا ہوں کہ اپنے مستقبل کے متعلق تمہاری تمام امیدیں پوری ہوں۔ تم بہت بڑے مصنف ہو۔ اور جب دور دور سے لوگ تمہیں دیکھنے کے لئے آئیں تو انہیں ٹھہرانے کے لئے تمہیں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ اس لئے میں نے مکان کے ساتھ ایک ایکڑ کا کھیت اپنی شہزادی بہو کے نام کر دیا ہے اور یہ بھی لکھ دیا ہے کہ باقی زمین سے جو حصہ تمہارا ہو وہ سب اس مکان سے متصل ہونا چاہیئے۔ اس کے لئے ہمیں دو کھیتوں کا تبادلہ کرنا پڑے گا۔ میں نے ان کے مالکان کو کچھ رقم دینے کا وعدہ کر کے رضامند کر لیا ہے۔"

یوسف کی آنکھیں نمناک ہو رہی تھیں اور اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اباجی! میرے لئے دعا کیجئے کہ میں اپنے خاندان کی بلند ترین توقعات پورا کر سکوں۔"

"بیٹا! میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ میری عمر کے لوگ اس دنیا میں صرف اپنے بچوں کے لئے دعائیں کرنے کے لئے زندہ رہتے ہیں۔ تمہارے دادا کہا کرتے تھے کہ یوسف کی پیشانی پر کچھ لکھا ہوا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ کیا لکھا ہوا دیکھتے تھے۔ لیکن اب میں یہ سوچتا ہوں کہ اگر تمہارے لئے تمہاری ماں، تمہارے دادا اور دادی کی دعائیں قبول ہوگئیں تو تم بہت بڑے آدمی بن جاؤ گے۔ تم اس لحاظ سے یقیناً بہت خوش قسمت ہو کہ وہ لوگ جو ایک مرتبہ تمہیں دیکھ لیتے ہیں، وہ بھی تمہارے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ میں یہ سمجھ سکتا ہوں کہ کتابیں لکھنے کے لئے بہت سخت محنت کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے میرا یہ مشورہ ہے کہ تم آج تو یہیں آرام کرو۔ اور کل اپنے نئے مکان میں ڈیرہ لگا دو۔ بھلو وہاں پہرہ دے گا اور کسی کو تمہاری اجازت کے بغیر وہاں نہیں آنے دے گا۔"

اگلی صبح یوسف گھوڑے پر سوار ہو کر باہر نکل گیا۔ وہ گاؤں کے گرد کوئی ایک گھنٹہ، پگ ڈنڈیوں پر گھوڑا دوڑانے کے بعد واپس آیا تو میاں عبدالرحیم ناشتے پر اس کا انتظار کر رہے تھے۔ یوسف نے ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اباجی! اب تو میں آپ کو بیمار نظر نہیں آتا؟"

عبدالرحیم نے جواب دیا۔ "بیٹا! میں چھت پر کھڑا ہو کر تمہیں گھوڑا دوڑاتے دیکھ رہا تھا تو مجھے بہت خوشی ہو رہی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ دو تین دن کے بعد تم تازہ دم ہو جاؤ گے۔"

ناشتہ ختم کر کے یوسف اپنے نئے مکان میں چلا گیا۔ دوپہر کے وقت وہ فہمیدہ کو یہ خط لکھ رہا تھا۔

"گاؤں کی تر و تازہ ہوائیں سانس لینے سے میری صحت پر بڑا خوشگوار اثر

ہوُا ہے۔ مَیں نے آج صبح گھوڑے پر سواری کی تھی اور ناشتے کے بعد نئے مکان
میں آ گیا تھا۔ آپ یہ سن کر حیران ہوں گی کہ اباجی نے میرے لئے ایک کمرے میں
خوب صورت میز اور چند نئی کرسیاں رکھوا دی تھیں۔ ناشتہ مَیں نے اباجی کے ساتھ
کیا تھا اور ناشتہ ختم ہوتے ہی انہوں نے مجھے کہا تھا۔ اب فوراً اپنے مکان میں
جا کر آرام کرو۔ تاکہ تم ذرا تازہ دم ہونے کے بعد لکھ سکو۔ فہمیدہ! میں کبھی کبھی سوچتا
ہوں کہ تمہاری وجہ سے میری دنیا میں یہ کتنا بڑا انقلاب آیا ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ
اگر کوئی اباجی سے ہنسی مذاق میں بھی یہ کہہ دیتا کہ یوسف فلاں جگہ چھپ کر
کوئی کتاب لکھ رہا ہے تو وہ چھڑی لے کر وہاں پہنچ جایا کرتے تھے اور اب وہ
یہ چاہتے ہیں۔ کہ میں ایک منٹ بھی ضائع نہ کروں۔"

ایک ماہ بعد یوسف کو نسرین کا خط ملا۔ اس نے لکھا تھا:
"بھائی جان! اگر آپ خفا نہ ہو جائیں تو میں آپ کو یہ اطلاع دینا چاہتی ہوں
کہ میں اور محمد عمر اتوار کے روز دریا عبور کرکے آپ کے گاؤں میں پہنچ جائیں گے۔
آپا فہمیدہ نے یقیناً آپ کو میرے اس پروگرام کی اطلاع دی ہوگی۔ میں کئی دن
پہلے آپ کے گاؤں آنے کے لئے تیار تھی۔ اور آپا خالدہ نے بھی اجازت دے
دی تھی، لیکن آپا فہمیدہ کا خط آیا تھا کہ ان دنوں تمہارے بھائی جان بہت مصروف
ہوں گے۔ جب مجھے یہ معلوم ہوگا کہ وہ تمہارے لئے وقت نکال سکتے ہیں تو
میں تمہیں لکھ دوں گی۔ یہ کتنی عجیب بات ہے بھائی جان کہ میں آپا کی اجازت
کے بغیر آپ کو دیکھ بھی نہیں سکوں گی۔ بہرحال میں نے بڑے صبر سے کام لیا
ہے اور ان کا خط ملنے کے بعد سفر کا پروگرام بنایا ہے۔ ہم صبح ہوتے ہی اپنے
گھوڑوں سمیت دریا عبور کر لیں گے۔ اس لئے آپ کو ہمارے لئے سواری کا

انتظام کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ہم دو دن سے زیادہ آپ کے
پاس نہیں ٹھہریں گے، لیکن بھائی جان! امی اور ابو کی طرح آپ بھی تو ہمیں کوئی
حکم دے سکتے ہیں نا؟"

یوسف نے مسکراتے ہوئے خط جیب میں ڈال لیا۔

اتوار کے دن علی الصباح یوسف نے دریا کے کنارے گھوڑے سے اُتر کر
نماز ادا کی اور پتن پر پہنچ کر دریا کے دوسرے کنارے کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاں کشتی
پر لوگ سوار ہو رہے تھے۔ جب کشتی چل پڑی تو وہ اپنے پاس کھڑے ملاحوں اور
مسافروں کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گیا۔ ایک عمر رسیدہ ملاح نے کہا: "میاں جی!
اس دفعہ شکار بہت تھا، لیکن آپ نہیں آئے؟"

یوسف نے جواب دیا: "بھائی صاحب! میں کچھ مصروف رہا ہوں"

ملاح نے کہا۔ "میاں جی، اگر پار جانا ہو۔ تو ہم آپ کو کشتی بھرنے سے پہلے
پہنچا دیتے ہیں"

یوسف نے جواب دیا۔ "آپ کی بڑی مہربانی، لیکن میں اپنے مہمانوں کو لینے
آیا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ وہ اُس کشتی پر آ رہے ہیں اور اُن کے گھوڑے بھی ساتھ
ہیں"

"میاں جی! تین گھوڑے تو نظر آ رہے ہیں"

یوسف تھوڑی دیر کشتی کی طرف دیکھتا رہا۔ اور پھر اس نے اپنی گھوڑی پر
بیٹھے بیٹھے دونوں ہاتھ بلند کر دیئے۔ جواب میں نسرین اور محمد عمر بھی اپنے ہاتھ
بلند کرکے ہلانے لگے۔

یوسف گھوڑے سے اتر پڑا ــــ کشتی کنارے پر آ لگی تو سواریوں

کے بعد گھوڑے اتارے گئے۔ نسرین بھاگتی ہوئی آئی اور یوسف سے لپٹ
گئی پھر وہ گلہ کرنے لگی: بھائی جان! میں آپ کو گھوڑے پر دیکھ کر بہت خوش
ہوئی تھی۔ لیکن ہمارے لئے آپ کو یہاں نہیں آنا چاہئیے تھا۔"

یوسف مسکرایا۔ "شہزادی بہن! تمہارے ڈاکٹر چچا کا یہ حکم تھا کہ میں بلاناغہ سیر
کیا کروں۔ آج تم نے آنا تھا تو میں سواری کے لئے اس طرف نکل آیا تھا۔ اس سے پہلے
مجھے کبھی سیر سے اتنی خوشی حاصل نہیں ہوئی تھی۔"

محمد عمر نے کہا: شکر ہے کہ آپ سواری کر سکتے ہیں۔ ہم آپ کے متعلق بہت
پریشان تھے۔ آپ ایک وعدہ کریں: جب ہم واپس ہوں تو آپ بھی ہمارے ساتھ
چلیں گے۔ اور کچھ دن ہمارے گھر رہیں گے۔ امی اور ابو آپ کو دیکھ کر بہت خوش
ہوں گے۔"

نوکر نے باری باری نسرین اور عمر کے گھوڑے کی باگیں اُن کے ہاتھ میں تھما دیں
اور پھر ملاح کے ہاتھ سے تیسرا گھوڑا پکڑ لایا۔ جس پر کچھ سامان لدا ہوا تھا۔

محمد عمر نے کہا۔ میں نے کل ایک نیل گائے اور ایک ہرن مارا تھا۔ ہرن تو
اسی طرح لے آیا ہوں۔ لیکن نیل گائے کا کچھ اچھا اچھا گوشت نکال لیا تھا، پانچ
بڑی مرغابیاں بھی ہیں۔ میرا ارادہ تھا۔ کہ میں آپ کو خود ہی آکر شکار پر لے جاؤں، لیکن
پہلے تو مجھے یہی پتہ نہ چلا کہ آپ کہاں ہیں اور پھر یہ معلوم ہوا کہ آپ زخمی ہو گئے
تھے۔ اور جالندھر کے ہسپتال میں ہیں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا تو میں باقاعدہ آپ
کو وہاں شکار بھیجا کرتا۔"

"بھئی شکار لانے کا شکریہ اور نیل گائے کے گوشت کا تو مجھے بہت شوق
تھا۔ اب ہمیں جلدی گھر پہنچنا چاہئیے۔ آپ کے نوکر کا کیا نام ہے؟"

"جی اس کا نام کریم اللہ ہے اور یہ زندہ مرغابیاں پکڑنے کا ماہر ہے۔

اور ہر سال آپ کو پہنچایا کرے گا۔"

یوسف نے کہا۔ "کریم اللہ! گھوڑے پر تمہارے بیٹھنے کے لئے کوئی جگہ
ہے؟"

"جی نہیں، ایک طرف ہرن ہے اور دوسری طرف نیل گائے کا گوشت اور
مرغابیاں بندھی ہوئی ہیں۔ میں ویسے بھی گھوڑے پر سوار ہونا پسند نہیں کرتا
آپ میری فکر نہ کریں۔ میں آپ کے پیچھے آجاؤں گا۔"

یوسف نے کہا۔ "دیکھو کریم اللہ، یہ شکار بہت قیمتی ہے۔ اور میں چاہتا ہوں
کہ یہ جلد از جلد گھر پہنچ جائے۔ تم گھوڑے کی لگام مجھے پکڑا دو۔ اور ہمارے
پیچھے اطمینان سے آؤ۔ تم چل سکو گے یا راستے میں کسی سے تمہارے لئے گھوڑا
لے لیا جائے؟"

"میاں جی، میں تو اس مُردہ گھوڑی پر چڑھنے سے بھی ڈرتا ہوں، میں ویسے
ہی ٹھیک ہوں۔ آپ میری فکر نہ کریں۔ آپ کو گھر پہنچ کر زیادہ دیر میرا انتظار نہیں
کرنا پڑے گا۔ لیکن نسرین بی بی کی گھوڑی زیادہ لنگڑانے لگی ہے۔"

عمر نے کہا: "بھائی صاحب، کل میں اس گھوڑی کو شکار پر لے گیا تھا۔ واپسی
پر شاید ایک نالے کے اوپر سے کودتے ہوئے اس کی ٹانگ میں کوئی چوٹ آگئی
تھی۔ لیکن مجھے احساس نہ ہوا۔ صبح جب ہم گھر سے نکلے تو یہ کچھ لنگڑا رہی تھی۔
میرا خیال تھا کہ کچھ فاصلہ چلنے کے بعد یہ ٹھیک ہو جائے گی، لیکن جب دریا تک
پہنچ کر اس کی حالت میں کوئی فرق نہ آیا تو میں نے اس کی ٹانگ ٹٹول کر دیکھی
اور مجھے اس کے گھٹنے میں کچھ سوزش محسوس ہوئی۔"

یوسف نے کہا۔ "بھئی اگر یہ بات ہے۔ تو ہمیں ذرا آہستہ چلنا پڑے
گا۔"

نسرین بولی، بھائی جان یہ دو دن تک ٹھیک ہو جائے گی؟"

یوسف نے جواب دیا، "ٹھیک ہو جائے گی، لیکن اتنی جلدی نہیں۔"

"بھائی جان، ہمیں صرف دو دن آپ کے گاؤں ٹھہرنے کی اجازت ملی ہے اور اگر ہم نہ گئے تو آپا جان بہت پریشان ہوں گی۔"

یوسف بولا۔ "اگر یہ ٹھیک نہ ہوئی تو آپ کو واپس جانے کے لئے ایک بہتر سواری مل جائے گی۔"

نسرین بولی، "لیکن بھائی جان اسے واپس کون لائے گا؟"

یوسف نے جواب دیا۔ "شہزادی بہن! یہ ایک تحفہ ہوگا۔ آپ کی گھوڑی جب ٹھیک ہو جائے گی تو اسے بھی واپس بھیج دیا جائے گا۔ اور کوئی اچھا تحفہ واپس نہیں کیا جاتا! ہمارے پڑوس میں سردار منگل سنگھ ایک بڑا زمیندار ہے اور اسے اچھی نسل کے گھوڑے پالنے کا بڑا شوق ہے۔ پچھلے مہینے وہ مجھے ایک خوب صورت گھوڑی کا تحفہ دے گیا تھا اور میں نے اسے دیکھتے ہی یہ محسوس کیا تھا کہ: اس سبک رفتار اور خوب صورت گھوڑی پر کسی شہزادی کو ہی سوار ہونا چاہیئے۔"

"لیکن بھائی جان! جالندھر میں اسے کون سنبھالے گا؟"

"بھئی اسے جالندھر بھیجنے کے بجائے محمد عمر کے اصطبل میں جگہ دی جائے گی۔ تاکہ جب آپ کے خاندان میں سے کوئی دریا عبور کر کے یہاں آنے کا ارادہ کرے تو اسے کسی سے راستہ پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ دریا کو عبور کرنے کے بعد آپ کو صرف ایک بار ایڑ لگانے کی ضرورت پیش آئے گی اور آپ آنکھیں بند کر کے ہمارے گاؤں پہنچ جائیں گی۔ ورنہ منگل سنگھ کے ٹھکانے کا تو اسے علم ہے ہی —— اس کا گاؤں ہمارے گاؤں سے صرف دو میل دور ہے۔"

نسرین بولی۔ "بھائی جان! یہ تو بہت اچھا ہوگا۔ میں ہر دوسرے تیسرے روز آپ

کے پاس پہنچ جایا کروں گی۔ اور بھائی جان یہ بھی تو ہو سکتا ہے نا۔ کہ کسی دن ہم آپا فہمیدہ کو بھی گاؤں بلوالیں اور پھر اچانک آپ یہ دیکھیں کہ وہ خوب صورت گھوڑی آپا جان کو لے کر آپ کے گاؤں پہنچ گئی ہے آپ خفا تو نہیں ہو جائیں گے اس بات پر؟"

یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا: "بھئی مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہاری آپا جی، تمہاری پٹائی نہ کر دیں۔"

جب وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر چل پڑے تو یوسف نے کریم اللہ سے مخاطب ہو کر کہا:

"دیکھو بھئی، تمہیں میرے گاؤں کا راستہ معلوم ہے نا۔"

"جناب مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔ میں دھاریوال مرغابیاں لے کر جایا کرتا تھا۔ تو آپ کے گاؤں سے گزرا کرتا تھا۔ ایک دفعہ بڑے میاں جی نے مجھ سے چار زندہ مرغابیاں خریدی تھیں۔"

"یار کریم اللہ، پھر تو تم بڑے کام کے آدمی ہو۔"

یوسف نے یہ کہہ کر گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ سامان والی گھوڑی نے چند منٹ اس کا ساتھ دینے میں ہچکچاہٹ ظاہر کی۔ لیکن محمد عمر نے پیچھے سے اپنا گھوڑا آگے بڑھا کر چھڑی ماری۔ اور وہ چل پڑی۔

وہ گھر پہنچے تو میاں عبدالرحیم، نسرین اور محمد عمر کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ یوسف نے کہا۔ "ابا جی، یہ آپ کے لئے تحفہ لائے ہیں۔"

"بیٹا! تحفہ تو ہمیں دینا چاہیئے۔ یہ تحفہ کیوں لائے ہیں؟"

یوسف نے جواب دیا۔ "ابا جی، یہ آپ کے لئے ایک ہرن، نیل گائے کا گوشت اور مرغابیاں لائے ہیں۔"

عبدالرحیم نے عمر کو گلے لگاتے اور نسرین کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

"ہاں بیٹی! شہزادیوں کے تحفے ایسے ہی ہونے چاہئیں ــــ بیٹا! کہاں ہے وہ شکار اسے فوراً گھر پہنچاؤ تاکہ وہ خراب نہ ہو جائے"۔

یوسف نے کہا۔ "ابا جی، وہ گھر پہنچ گیا ہے اور انشاء اللہ کوئی چیز خراب نہیں ہوگی۔ میں نے پیراں دتہ کو شہر سے برف لانے کے لئے بھیج دیا ہے اور یہ شکار پکانے کے لئے تھوڑی دیر تک محمد عمر کا آدمی بھی آجائے گا۔ وہ شکار کرنا، شکار سنبھالنا اور شکار پکانا سب کچھ جانتا ہے"۔

عبدالرحیم نے نسرین کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "بیٹی! میں یہ محسوس کیا کرتا ہوں کہ تمہاری وجہ سے ہمارے گھر میں بہت سی خوشیاں آئی ہیں۔ آج یوسف مجھے اسی طرح نظر آتا ہے۔ جیسے کہ یہ پہلے ہوا کرتا تھا۔ جب یہ طویل غیر حاضری کے بعد گھر آیا تھا تو اس کی صحت بہت خراب تھی"۔

"ابا جی! خدا کا بہت شکر ہے۔ کہ بھائی جان کی صحت ٹھیک ہو گئی ہے"۔

"بیٹی، تم نے اسے بیماری کی حالت میں کب دیکھا تھا؟"

نسرین اچانک پریشان سی ہو کر یوسف کی طرف دیکھنے لگی اور پھر سنبھل کر بولی: "یہ اس قدر کمزور ہو گئے تھے کہ بیمار نظر آتے تھے۔ ڈاکٹر کمال الدین اور چچا جمیل ان کا معائنہ کرنے کے بعد یہ تسلی دیا کرتے تھے کہ انہیں کوئی بیماری نہیں ہے اور نہ کسی دوا کی ضرورت ہے۔ ان کا بہترین علاج یہ ہے کہ یہ تازہ ہوا میں سیر کیا کریں۔ ذرا موسم بدل جائے تو پیراکی سے بھی انہیں بہت فائدہ ہوگا۔ اب دو تین مہینے ایسے ہیں۔ کہ سیر کے علاوہ گھڑ سواری ان کے لئے بہت فائدہ مند ہو سکتی ہے"۔

"بیٹی، یہ عجیب بات ہے کہ یوسف اتنا کمزور ہو گیا تھا اور کسی نے مجھے اطلاع دینے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔ منظور آیا تھا۔ تو وہ بھی مجھے تسلی دے کر چلا گیا تھا میری بہو نے دو تین بار لکھا تھا کہ آپ یوسف کے لئے دعا کیا کریں۔ اور میں اس کا

مطلب یہی سمجھتا تھا کہ یوسف نے جو کام شروع کیا ہے، مجھے اس میں اس کی کامیابی کی دُعا کرنی چاہیئے۔ مجھے تو کبھی یہ خیال ہی نہیں آیا کہ میرا شیر ایسا بیٹا کبھی بیمار بھی ہو سکتا ہے"

"ابا جی، میں بیمار نہیں تھا۔" یوسف نے کہا: "چند دن کوئی ایسی تکلیف رہی جو میری سمجھ سے بالا تر تھی۔ اور ڈاکٹر بھی میرے کمزور ہو جانے کی کوئی تسلی بخش وجہ نہ بتا سکے"۔

عبدالرحیم نے کہا۔ "بیٹا! کسی نے تمہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ تمہیں گھر کے تازہ دودھ مکھن اور دہی کی ضرورت ہے"۔

"ابا جی، دودھ تو ہر جگہ ملتا تھا۔ لیکن مجھے بھوک نہیں لگتی تھی۔ جب سے میں نے اپنے گاؤں کا پانی پینا شروع کیا ہے۔ میں ٹھیک ہو گیا ہوں"۔

تیسرے دن عمر اور نسرین واپس جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ عبدالرحیم نے اچانک یہ فیصلہ کیا کہ "نسرین بیٹی کل تک میری مہمان رہے گی۔ اگر اسے یہ پریشانی ہے کہ اس کی بہن پریشان ہوگی تو میں ابھی ایک آدمی کو یہ پیغام دے کر روانہ کر دیتا ہوں کہ ننھی شہزادی کو میں نے روک لیا ہے"۔

نسرین بولی" ابا جی، آپ کو پیغام بھیجنے کی ضرورت نہیں، میں وہاں جا کر یہ کہہ سکوں گی کہ مجھے ابا جان نے ایک دن ٹھہر جانے کا حکم دیا تھا اور میں رُک گئی تھی"۔

اگلے روز محمد عمر اور نسرین، یوسف کے ساتھ دریا کا رُخ کر رہے تھے اور گاؤں سے تھوڑی دور جانے کے بعد نسرین کہہ رہی تھی۔ "بھائی جان، اس گھوڑی پر سوار ہوتے ہوئے پہلے تو مجھے کچھ کچھ ڈر لگنے لگا تھا لیکن اب یہ محسوس کرتی ہوں کہ کوئی اچھا سوار اسے ٹریننگ دے چکا ہے"۔

یوسف نے جواب دیا۔ "بھئی جب میرے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ کسی دن

میری شہزادی بہن اس پر سواری کرے گی تو میں نے چند دن اس کی تربیت کی تھی۔ انسانوں کی طرح بعض جانوروں میں بھی کوئی کجی نہیں ہوتی اور مجھے پہلے دن ہی اس پر سواری کرکے یہ احساس ہو گیا تھا کہ قدرت نے اس خوب صورت جانور کو میری شہزادی بہن کی سواری کے لئے بنایا ہے۔"

نسرین بولی" بھائی جان! جب آپ کا خیال آتا ہے تو میں ہمیشہ یہ محسوس کرتی ہوں کہ میں بہت خوش قسمت ہوں۔ اب مجھے یہ بات پریشان کیا کرے گی کہ میرے لئے اس گھوڑی کو اپنے ساتھ جالندھر لے جانے کی بجائے آپا خالدہ کے گھر چھوڑ دینا کتنا صبر آزما ہوگا۔"

یوسف نے جواب دیا" لیکن مجھے ایک فائدہ ضرور ہوگا کہ آپ اپنی گھوڑی دیکھنے کے بہانے عمر کے گاؤں آیا کریں گی۔ تو وہاں پہنچ کر آپ کو ہمارا گاؤں زیادہ دور محسوس نہیں ہوگا۔ ایک بات تو ہو سکتی ہے کہ کبھی کبھی یہ گھوڑی آپ کو سیدھا ہمارے گھر لانے کی بجائے منگل سنگھ کے گھر لے جایا کرے گی۔ کیونکہ جب کبھی اسے موقع ملتا تھا تو یہ پوری رفتار سے بھاگتی ہوئی منگل سنگھ کے گھر پہنچ جاتی تھی اور اس کے نوکر اسے پکڑ کر ہمارے گھر لے آیا کرتے تھے۔"

جب وہ دریا کے کنارے پہنچے تو عمر نے اصرار کیا کہ آپ ہمارے گاؤں میں دو دن ٹھہر کر جائیں۔"

نسرین بھی اس کی تائید کر رہی تھی۔ لیکن یوسف نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا "ابھی میرا دو تین دن کا کام باقی ہے۔ اس کے بعد میں لاہور جاؤں گا اور وہاں سے کوئی پروگرام بنا سکوں گا۔"

نسرین بولی۔" بھائی جان! میں سمجھ گئی ہوں کہ لاہور پہنچ کر آپ کیا پروگرام بنائیں گے؟ پچھلے ہفتے مجھے اباجی کا خط بھی آیا تھا اور آپاجی وہ خط پڑھ کر بڑی خوش ہوئی

تھیں۔ میرا خیال ہے کہ انہوں نے آپ کے اباجان کو بھی لکھ دیا ہوگا۔"

یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ بھی خدا کا شکر ہے کہ میری ننھی بہن میرے متعلق اتنی باخبر رہتی ہے۔"

"بھائی جان، میں فہمیدہ آپا کی بھی ننھی بہن ہوں اور جس قدر آپ کے متعلق سوچتی ہوں اُس سے زیادہ آپاجان کے متعلق سوچا کرتی ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد محمد عمر اور نسرین کی کشتی روانہ ہو چکی تھی۔ اور یوسف کنارے پر کھڑا ہاتھ بلند کر کے انہیں خدا حافظ کہہ رہا تھا۔

یوسف، نسرین اور عمر کو رخصت کرنے کے بعد واپس اپنے گھر پہنچا تو عبدالرحیم نے اُسے دیکھتے ہی کہا ـــــ "بیٹا! تمہارے لئے ایک خوشخبری ہے۔"

"کیسی خوشخبری ہے اباجان؟"

"بیٹا، لاہور سے بلقیس بی بی کا خط آیا ہے۔ وہ کل امینہ اور منظور احمد کے ساتھ یہاں آرہی ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ تمہارے سسرال کے ایما پر رخصتی کا دن مقرر کرنے آرہی ہے۔ عبدالعزیز لاہور میں نہیں ہیں، ورنہ وہ بھی اُس کے ساتھ آتے۔ بیٹا میں انہیں کوئی لمبی تاریخ نہیں دوں گا۔ خط ملنے کے بعد مجھے پہلا خیال جو آیا تھا وہ یہ تھا کہ ہم ان کے ساتھ ہی چند آدمیوں کو لے کر روانہ ہو جائیں۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "اباجی! مجھے یقین ہے کہ وہ سب آپ کی خوشی کو ہر بات پر مقدم سمجھیں گے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ براتیوں کی تعداد اٹھارہ انیس سے زیادہ نہیں ہونی چاہیئے اور اتنے آدمیوں کو تیار ہونے کے لئے کوئی لمبا چوڑا نوٹس دینے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ بے ہودہ رسومات

کو ختم کرنے کی ابتدا ہمارے ہی خاندان سے ہونی چاہیئے۔"

"بیٹا! اگر میں نے کسی وقت اٹھارہ یا انیس آدمی لے جانے کے متعلق کہا تھا تو میں اس فیصلے میں تبدیلی نہیں کروں گا۔ میں اس بات میں تمہارا ہم خیال ہوں کہ ہمیں صرف دعوتِ ولیمہ پر زیادہ لوگوں کو بلانا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ ہماری طرف سے ایک اچھی ابتدا ہوگی اور لڑکی کے گھر سینکڑوں آدمیوں کی بارات لے جانا کوئی قابلِ فخر بات نہیں ہے۔ میں اس بات پر خوش ہوں کہ نصیرالدین صاحب اور ان کے خاندان کے دوسرے لوگ بھی نمائش پسند نہیں کرتے۔ اور انہیں اس بات سے کوئی شکایت نہیں ہوگی کہ ہم کوئی بہت بڑی برات لے کر نہیں گئے۔"

یوسف نے جواب دیا: "اباجی، نصیرالدین صاحب جس قدر دین دار ہیں اسی قدر عالم ہیں اور انہیں ظاہری نمائش سے بہت نفرت ہے۔"

عبدالرحیم نے کہا: "ان کا تو سارا خاندان بہت اچھا ہے۔ ورنہ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی کہ انہوں نے اپنے گھر کے بجائے سینکڑوں میل دور تمہارا نکاح کر دیا اور عبدالکریم جیسے ظاہردار آدمی پر اس بات کا یہ اثر ہوا کہ تم نے اس کے ساتھ بات کی اور اُس نے کوئی لمبا چوڑا پروگرام بنانے کے بجائے وہیں سے ہی اپنی بیٹی کو منظور کے سپرد کر دیا حالانکہ اتنے مالدار آدمی کو اس بات کا خیال آسکتا تھا کہ لوگ کیا کہیں گے۔"

یوسف نے کہا: "اباجی، میرا خیال تھا کہ شاید امینہ یہ بات پسند نہ کرے لیکن وہ بہت خوش تھی۔"

عبدالرحیم بولا: "بیٹا! مجھے یقین ہے کہ میری بہو تم سب سے زیادہ سمجھدار ہے۔"

یوسف نے کہا: "اباجی، ہم نے ایک واقعہ آپ سے چھپا رکھا ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ اب آپ کو بتا دینے میں کوئی حرج نہیں۔ مجھ پر جالندھر کے راستے میں اچانک حملہ ہوا تھا اور منظور مجھے بے ہوشی کی حالت میں جالندھر لے گیا تھا۔ وہاں

سے مجھے سیدھا فوجی ہسپتال پہنچا دیا گیا تھا اور جب یہ مسئلہ سامنے آیا کہ مجھے شاید علاج کے لئے لاہور منتقل کرنا پڑے۔ تو ان سب نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ وہ ہمارے چند عزیزوں کو بلا لیں گے۔ اور فہیدہ کو میری ایمبولینس کے ساتھ ہی رخصت کر دیں گے۔ ڈاکٹروں کی کوششوں سے میری صحت جلد بہتر ہوگئی تھی ورنہ یہ سانحہ ہمارے خاندان کی تاریخ کا اہم ترین واقعہ سمجھا جاتا۔"

عبدالرحیم نے یوسف کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اسے سینے سے لگا لیا اور کہا: "بیٹا! اگر میری بہو اس بات پر رضامند ہوگئی تھی تو تم بہت خوش قسمت ہو۔ وہ اپنے ساتھ اس گھر میں بہت سی برکتیں لائے گی۔ پہلے تم اپنے زخموں کے متعلق بتاؤ۔"

یوسف بولا: "اباجی، میرے زخم مندمل ہو چکے ہیں۔ کندھے سے نیچے ایک گولی خطرناک ہوسکتی تھی لیکن اسے نکال دیا گیا تھا۔ ایک زخم میرے سر پر بھی آیا تھا۔ لیکن مجھے دو دن بعد ہوش آگیا تھا۔"

عبدالرحیم نے جذبات سے مغلوب ہوکر کہا: "بیٹا! اس کے باوجود مجھے تمہارے زخمی ہونے کی کسی نے اطلاع نہ دی۔"

یوسف بولا: "اباجی، مجھے ہوش میں آنے کے بعد معلوم ہوا تھا کہ فہیدہ نے تمام رشتہ داروں کو پریشان کرنے سے منع کر دیا تھا۔ آپ کے متعلق اسے یہ فکر دامن گیر تھی۔ کہ آپ میرے متعلق چھوٹا سا صدمہ بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ اس نے اپنے والدین سے یہ کہا تھا کہ جب یوسف ٹھیک ہو جائے گا تو میں اس سے اپنی کوتاہی کی معذرت کر لوں گی اور مجھے اپنے خسر کے متعلق یہ اطمینان ہے کہ وہ میری کوتاہی کو قابلِ سزا نہیں سمجھیں گے۔"

عبدالرحیم نے کہا: "بیٹا! خدا میری بہو کو بے حساب خوشیاں دے۔ اس نے صحیح سوچا تھا۔"

خواب اور تعبیریں

فہمیدہ اپنے والدین کے گھر سے رخصت ہو رہی تھی۔ براتیوں کی تعداد، ڈرائیوروں اور گھر کے ملازموں کو نکال کر اکیس سے زیادہ نہ تھی۔ بلقیس، عبدالعزیز، عبدالکریم، اس کی بیوی رشیدہ، امینہ اور منظور احمد برات کے ساتھ آئے تھے۔ عبدالعزیز نے کسی سرکاری کام کے لئے امرتسر میں ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ لیکن عبدالرحیم اور امینہ کے اصرار پر بلقیس چند دن ان کے گاؤں میں ٹھہرنے پر رضامند ہو گئی۔ عبدالکریم، اس کی بیوی رشیدہ اور بیٹے علی اکبر نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ وہ اگلے روز یوسف کی دعوتِ ولیمہ میں شرکت کے بعد واپس آ جائیں گے۔ جب وہ دھاریوال کی ریلوے لائن عبور کرنے کے بعد گاؤں کی طرف جانے والی کچی سڑک پر روانہ ہوئے تو حدِ نگاہ تک پھیلے ہوئے کھیتوں کی ہریالی قدرے بھورے رنگ میں تبدیل ہو رہی تھی۔ موسم بدل رہا تھا۔ لیکن ہوا میں تلخی نہ تھی۔ دولہا اور دلہن کے لئے جو خوب صورت کار مہیا کی گئی تھی اسے امینہ چلا رہی تھی اور اگلی سیٹ پر ظہیر بیٹھا ہوا تھا۔ استقبال کرنے والی عورتوں اور بچیوں کا ہجوم یوسف کے نئے گھر سے لے کر باہر کی حویلی کے گیٹ تک پھیلا ہوا تھا۔ دلہن کی کار اندرونی حویلی کے پھاٹک پر رکی اور دیہاتی عورتوں نے آن کی آن میں فہمیدہ کو گلاب کے پھولوں کے مہکتے ہوئے ہاروں سے چھپا دیا۔ یوسف کی چچی اور امینہ اسے سہارا دے

کر بڑے دالان کے اندر لے گئیں۔ وہاں معمر عورتیں فہمیدہ کو گلے لگا رہی تھیں۔ اس کے ہاتھوں اور چہرے کو چوم رہی تھیں اور اجیت کور انہیں پیچھے ہٹاتے ہوئے چلا چلا کر کہہ رہی تھی: "دیکھو جی! میری بھابی کا دم گھٹ رہا ہے اسے تنگ نہ کرو۔"

جب اس کا بس نہ چلا تو اس نے اپنی جسمانی قوت کا مظاہرہ شروع کر دیا اور بعض عورتوں کو ساتھ والے کمروں کی طرف دھکیل دیا، لیکن معمر عورتیں بُرا ماننے کی بجائے اجیت کور کی حرکات پر ہنس رہی تھیں۔

اگلے روز دعوتِ ولیمہ تھی اور یوسف کے کالج کے بہت سے ساتھی اور ڈاکٹر جمیل اور ڈاکٹر کمال الدین کے علاوہ ان کے چند دوست اور یوسف کے چند پروفیسر اور ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب بھی آئے تھے۔ ان کے ساتھ ایک نوجوان ایسا تھا، جسے یوسف پہلی ملاقات میں پہچان نہ سکا۔ تاہم جب اس کا تعارف کرایا گیا تو یوسف کو احساس ہوا کہ یہ سنجیدہ آدمی کبھی اس کا ہمسفر رہ چکا ہے۔ اس کا نام احسان الحق تھا اور وہ یوسف کے ساتھ بڑے تپاک سے پیش آیا۔ ڈاکٹر جمیل، ڈاکٹر کمال الدین اور احسان الحق اسی دن واپس جانا چاہتے تھے۔ لیکن اندر سے امینہ نے یہ پیغام بھیجا کہ چچا جان اور ان کے دوست کو کل تک یہیں رہنا چاہیئے اور جو تحفہ وہ یوسف کے لئے لائے ہیں وہ انہیں فرصت کے وقت خود یوسف کو پیش کرنا چاہیئے۔ رات کے وقت جب مہمانوں کی چہل پہل ختم ہو چکی تھی تو فہمیدہ، ڈاکٹر کمال الدین اور احسان الحق کو بالا خانے کے ایک کشادہ کمرے میں لے گئی۔ ایک چھوٹا سا بنڈل اس کے ہاتھ میں تھا اور پیچھے گھر کا ایک ملازم ایک وزنی پیکٹ اٹھائے ہوئے تھا۔ فہمیدہ نے پیکٹ جمیل کو پیش کرتے ہوئے کہا: "لیجئے! ڈاکٹر صاحب اپنا تحفہ آپ خود ہی یوسف صاحب کو پیش کر دیجئے۔"

جمیل نے پیکٹ پکڑتے ہوئے کہا: "بھائی احسان! اپنا تحفہ تم خود پیش کرو۔"

احسان نے پیکٹ پکڑ کر کھولا اور دو خوب صورت کتابیں جن کے گرد پوش پر مصنف کا نام نمایاں نظر آتا تھا، یوسف کو پیش کر دیں۔ یوسف چند ثانیے دونوں کتابوں کو الٹ پلٹ کر کے دیکھتا رہا اور پھر اچانک اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔

احسان الحق نے کہا: "یوسف صاحب! میں آپ کا پبلشر ہوں اور اس بنڈل میں پچیس جلدیں اور ہیں۔ آپ اسے شادی کا تحفہ سمجھ کر ابھی تقسیم کر سکتے ہیں۔"

یوسف نے رومال سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے پوچھا، "بھئی یہ ہوا کیسے؟"

منظور بولا: "بھائی جان! یہ قصہ بہت سے لوگوں سے تعلق رکھتا ہے۔ کسی نے آپ کا مسودہ سنبھال چھوڑا تھا، پھر بعض لوگوں نے اسے پڑھا، پھر ایک ڈاکٹر صاحب کو یہ علم ہوا کہ جو آدمی کئی ہفتے ان کے زیر علاج رہا ہے، اس کا بڑا بھائی پبلشر ہے۔ پھر آپ کی دونوں کتابوں کے مسودے اس پبلشر کے پاس چلے گئے۔ اور فیصلہ یہ ہوا کہ انہیں شائع کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ بھئی یہ تو تھا قدرت کا ایک کھیل۔ لیکن اگر ایسے اتفاقات نہ ہوتے تو بھی آج کے دن آپ کو یہ کتاب ضرور پیش کی جاتی۔ کئی اور لوگ ایسے تھے جو اسے شائع کرنے پر رضامند ہو چکے تھے۔"

یوسف نے غور سے فہمیدہ کی طرف دیکھا تو اس کا چہرہ بھی خوشی سے چمک رہا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا: "منظور بھائی صحیح کہتے ہیں۔ آپ کی تحریر پسند کرنے والے ان کتابوں کی اشاعت کا انتظام کر رہے تھے کہ ڈاکٹر جمیل اور احسان الحق صاحب ان پر سبقت لے گئے۔ لیکن آپ کی طرف سے شکریہ کی سب سے زیادہ مستحق وہ بچی ہے، جس نے آپ کا مسودہ گم نہیں ہونے دیا تھا۔"

یوسف نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: "مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں اچانک اس دنیا میں داخل ہو گیا ہوں۔ جس کے دروازے مدت سے میرے لیے بند تھے۔ جمیل صاحب! اس وقت میں آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے کوئی موزوں الفاظ نہیں سوچ سکتا۔ بہرحال میں صرف یہ دعا کر سکتا ہوں کہ اللہ فہمیدہ کے چچا کو جزائے خیر دے۔"

پھر تھوڑی دیر بعد جب یوسف کو ڈاکٹر جمیل کے ساتھ تنہائی میں باتیں کرنے کا موقع ملا تو اس نے جمیل کا ہاتھ پکڑ کر غور سے دیکھتے ہوئے کہا: "جمیل صاحب! کبھی کبھی میں اس بات پر حیران ہوتا ہوں کہ بعض لوگ اتنے اچھے کیوں ہوتے ہیں۔ دیکھئے! آپ کے ہاتھ بہت خوب صورت ہیں، لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ آپ کا دل آپ کے ہاتھوں سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔"

"بھائی، تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ لوگ اچھوں کو دیکھ کر اچھا بن جاتے ہیں۔"

"جمیل صاحب! مجھے اپنی زندگی میں کافی عرصہ یہ احساس رہا ہے کہ میں ایک صحرا کا تنہا مسافر ہوں۔ لیکن پھر یکایک اس صحرا میں سدا بہار نخلستان نمودار ہونے لگے اور مجھے ہر سمت بہت پیار کرنے والے اور بہت رحمدل لوگ دکھائی دینے لگے۔"

جمیل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا، "بھئی یوسف! اگر تمہارے اندر کوئی خوبی نہ بھی ہوتی تو بھی تم سے پیار کرنے کے لیے میرا یہ جان لینا ہی کافی تھا کہ میری بہت لاڈلی بھتیجی تمہیں پسند کرتی ہے۔ لیکن جب میں نے تمہارے مسودے دیکھے تو مجھے احساس ہوا کہ تمہیں اپنی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے ہی اس دنیا میں بہت پسند کیا جائے گا۔"

یوسف نے کہا: "جمیل صاحب! مجھے جن لوگوں پر پیار آتا ہے۔ ان کے لئے بہت دعائیں کیا کرتا ہوں اور آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کے لئے کیا دعا کیا کروں؟"

جمیل نے جواب دیا: "بھئی میں نے یہ سنا تھا کہ کبھی فہمیدہ نے تمہارے متعلق یہ کہا تھا کہ آپ اس دنیا میں خوشیاں تقسیم کرنے کے لئے آئے ہیں۔ میرے لئے یہ دعا مانگا کرو کہ میں بھی کچھ لوگوں میں خوشیاں تقسیم کر سکوں۔"

یوسف نے کہا: "ڈاکٹر صاحب! میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میرا خالی دامن آپ نے خوشیوں سے بھر دیا ہے۔ میرے لئے یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ آپ نے پوری توجہ سے میرے مسودے پڑھے اور پھر انہیں شائع کرنے کا انتظام بھی کر دیا، جو مجھے ایک مدت تک ناممکن نظر آتا تھا۔"

"بھئی، جہاں تک مسودے پڑھنے کا تعلق ہے اس کی وجہ تو یہ تھی کہ تمہاری تحریر بہت اچھی ہے اور بعض حصے اتنے دلچسپ تھے کہ میں انہیں دوبارہ پڑھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ یہ ایک اتفاق کی بات تھی کہ ایک مریض کا بھائی پبلشر نکل آیا۔ پہلے شاید مجھے اسے خوش کرنے کے لئے دلچسپی تھی اور پھر اچانک اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ میری وجہ سے مستقبل کے ایک بہت بڑے مصنف سے متعارف ہوا ہے۔"

"ہاں تو ڈاکٹر صاحب! یہ قدرت کا کرشمہ ہے نا کہ جس شخص کو اس ملک کا سب سے بڑا پبلشر ہونا چاہیئے تھا وہ ایک نامور ڈاکٹر بن گیا ہے۔"

"بھئی، ہم میں سے اکثر کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا بننے کے لئے پیدا ہوا ہے۔ آپ اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ آپ نے برسوں پہلے اپنے مستقبل کا راستہ متعین کر لیا تھا اور آپ کے عزم و یقین میں کوئی فرق نہیں آیا۔"

یوسف بولا: "ڈاکٹر صاحب، اس لحاظ سے میں اپنے آپ کو یقیناً خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ میں نے اپنا پہلا مسودہ جالندھر کے راستے میں گاڑی میں چھوڑ دیا تھا اور وہ نسرین نے سنبھال لیا۔ نسرین سے لے کر فہمیدہ نے پڑھا اور پھر مجھے آپ کے خاندان سے اتنے قدر دان مل گئے۔ ورنہ زیادہ امکان اس بات کا تھا کہ ہم ایک دوسرے کے لئے قطعاً اجنبی ہوتے اور ایک مصنف اپنے تمام بلند ارادوں کے باوجود گمنامی کی موت مر جاتا۔"

"میرے بھائی، تم دنیا میں کچھ کرنے کے لئے پیدا ہوئے تھے اور گمنامی کی موت تمہارا مقدر نہیں ہو سکتا تھا۔ فرض کرو کہ اگر تمہاری زندگی میں تمہاری کوئی کتاب شائع نہ ہوتی تو تمہارے عزیزوں میں ایسے لوگ موجود تھے۔ جنہیں تمہارے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ یاد رہتا۔ مجھے سب سے پہلے اس بات پر حیرت ہوئی تھی کہ فہمیدہ نے تمہارے مسودوں کی ایک ایک نقل زائد رکھی ہوئی تھی اور یہ نقلیں بڑی محنت سے تیار کی گئی تھیں۔"

یوسف مسکرایا: "بھائی صاحب، یہ نقلیں تو فہمیدہ نے احتیاطاً تیار کر لی تھیں ورنہ آپ کبھی ان کا امتحان لیں تو یہ تحریریں انہیں زبانی یاد ہوں گی۔"

جمیل بولا: "بھئی کوئی پڑھنے والا اپنے پسندیدہ مصنف کو اس سے بہتر خراج ادا نہیں کر سکتا۔"

یوسف نے کہا: "ڈاکٹر صاحب! اس لحاظ سے میں بہت خوش قسمت ہوں کہ اپنے ماضی کی تمام تلخیوں کے باوجود کبھی کبھی میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں مایوسی اور بیچارگی کی حالت میں کسی بے نشان راستے پر تھک کر سو گیا تھا۔ پھر جب میری آنکھ کھلی تو میرے چاروں اطراف پھول ہی پھول تھے۔ جمیل صاحب! کبھی کبھی میں یہ سوچتا ہوں کہ اس قدر پیار کرنے والے لوگوں کا میں شکریہ بھی ادا کر سکوں گا؟"

یوسف کی آواز اچانک بھرا گئی۔ جمیل نے شفقت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا،

"نہیں، یہ عجیب سی بات ہے کہ جنہیں کسی سے کچھ ملتا ہے وہ تو سمجھ لیتے ہیں انہیں کیا ملا ہے۔ لیکن دینے والوں کو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ انہوں نے کیا دیا ہے؟"

"جمیل صاحب، میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ آپ اور ڈاکٹر کمال الدین کسی دن اچانک مجھ سے اتنا قریب آجائیں گے۔"

"بھئی یہ سمجھنا مشکل نہیں۔ کمال الدین میرا دوست ہے اور مجھے بعض رشتوں نے تم سے باندھ رکھا ہے۔"

اگلے دن مہمان رخصت ہو چکے تھے! سہ پہر کے وقت وہ چائے پی رہے تھے تو نوکر نے آکر اطلاع دی کہ:

"بی بی اجیت کور اور عطر کور آئی ہیں۔ میں نے سردار بہادر سنگھ کو ڈیوڑھی میں بٹھا دیا ہے۔"

یوسف نے اٹھتے ہوئے کہا: "بھئی، ان کے لئے چائے وہیں لے آؤ۔ میں ان کے ساتھ ہی چائے پیوں گا اور بیبیوں کو کہاں روک دیا ہے تم نے؟"

اجیت کور، عطر کور کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے کہا۔

"ویر جی، یہ ہمیں کیسے روک سکتا ہے؟"

فہمیدہ اٹھ کر ان سے باری باری گلے ملی اور انہیں اپنے ساتھ بٹھا لیا۔

عطر کور چائے پیتے ہوئے بولی: "بھابی جی، میرا خیال تھا کہ چھوٹی شہزادی آپ کے ساتھ ہوگی۔ میں نے پہلے بھی اجیت کور سے یہ سنا تھا کہ وہ یہاں آئی

تھی پھر جب میں اجیت کور کے ساتھ آپ کے گاؤں پہنچی تو معلوم ہوا کہ وہ اچانک واپس چلی گئی ہے۔"

فہمیدہ بولی: "بہن، میں آپ کو ایک خوشخبری سنانا چاہتی تھی کہ جو تحفہ آپ کے سردار جی نے یہاں بھیجا تھا وہ نسرین کو پسند آگیا تھا۔ اور اب وہ جب کبھی دریا عبور کیا کرے گی تو ہو سکتا ہے کہ کبھی آپ کی گھوڑی اسے ہمارے گھر کی بجائے آپ کے گھر پہنچا دیا کرے۔"

"بھئی، یہ تو بڑی اچھی بات ہوئی۔ میں اس کے ساتھ جی بھر کر باتیں کیا کروں گی۔ اور جب صبح ہونے لگا کرے گی تو اسے آپ کے گھر پہنچا دیا کروں گی۔ سردار جی کا شروع سے خیال تھا کہ ہمارے گھر میں اس قسم کی گھوڑیاں، شہزادیوں کی سواری کے قابل ہیں۔ دوسرا بچھڑا دس مہینے کا ہو گیا ہے۔ ہم اسے اگلے سال بہو بیٹی کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔"

اجیت بولی: "کیوں بھابی جی، آپ یہ تحفہ رد کر کے عطر کور کا دل تو نہیں دکھائیں گی؟"

"عطر کور کا دل میں کبھی بھی نہیں دکھا سکتی۔ لیکن یہ شرط ہے کہ جب میں کوئی چیز بھیجوں تو یہ بھی میرا دل نہیں دکھائیں گی۔"

اجیت ہنس کر بولی: "بہن، کہیں اونٹ نہ بھیج دینا ان کے گھر۔"

عطر کور بولی: "بھئی مجھے اس سے بھی خوشی ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے گھر میں شہزادی کے اونٹ کو دیکھنے کے لئے زیادہ لوگ آیا کریں گے۔"

رات کے وقت یوسف بالا خانے کے ایک کشادہ کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے گھٹنوں پر بڑے سائز کا پیڈ تھا اور دائیں ہاتھ تپائی پر ٹیبل لیمپ جل رہا

تھا۔ فہمیدہ دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوئی اور اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ اچانک یوسف کو ایسے محسوس ہوا کہ کمرہ مہک سے لبریز ہوگیا ہے۔ اس نے کچھ کہے بغیر پیڈ اور قلم اٹھایا اور اسے پیش کر دیا۔ فہمیدہ حیران سی ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

یوسف نے کہا: "فہمیدہ، میں نے سوچا ہے کہ میری نئی کتاب کی ابتداء تمہارے ہاتھ سے ہو، میں ابتدائی چند سطریں لکھواتا ہوں۔ اس کے بعد آپ کو کوئی تکلیف نہیں دوں گا۔"

فہمیدہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: "اگر آپ لکھوائیں تو میں ساری رات لکھ سکتی ہوں۔"

یوسف نے کہا: "نہیں جی، مجھے چند منٹ بعد ہی یہ محسوس ہونے لگے گا کہ آپ کے نازک ہاتھ تھک گئے ہوں گے۔ اور پھر میرا لکھنے کا موڈ خراب ہو جائے گا۔"

فہمیدہ بولی: "جی! میرے ہاتھ اتنے نازک نہیں ہیں۔"

یوسف نے جواب دیا: "اگر آپ میری آنکھوں سے اپنے ہاتھ دیکھتیں تو یہ نہ کہتیں۔"

"اچھا آپ لکھوائیے۔"

یوسف چند منٹ بولتا رہا اور فہمیدہ اطمینان سے لکھتی رہی۔ پھر یوسف نے پیڈ اس کے ہاتھ سے پکڑتے ہوئے کہا: "اب آپ آرام کریں۔ یہ ہماری زندگی کا ایک اہم دن ہے اور اس کے بعد جب تک یہ کتاب ختم نہیں ہو جاتی آپ مجھے بہت مصروف پائیں گی، لیکن میری کوئی مصروفیت ایسی نہیں ہوگی کہ آپ کو اکتاہٹ محسوس ہو۔"

فہمیدہ مسکرائی: "اکتاہٹ کا لفظ میرے ذہن سے نکل چکا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد یوسف پورے انہماک سے لکھ رہا تھا اور فہمیدہ بستر پر بیٹھی کبھی کبھی کروٹ بدل کر اس کی طرف دیکھ لیتی تھی۔

یوسف نے پوچھا: "فہمیدہ! آپ کو نیند نہیں آرہی؟"

فہمیدہ نے جواب دیا: "آپ مجھے یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ سب ایک خواب نہیں ہے؟"

"نہیں فہمیدہ! انسانوں کے خواب اتنے خوب صورت نہیں ہوتے۔"

فہمیدہ نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا: "مجھے شاید بہت دیر کے بعد یقین آئے گا کہ یہ کوئی خواب نہیں ہے۔"

سازش

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی آمد کے ساتھ ساتھ زمانے کی تاریک آندھیاں بھی بڑی تیزی سے ملک کے سیاسی اُفق کو اپنے آغوش میں لے رہی تھیں۔ انگریز اور ہندو اپنی ظاہری صورت میں مسلمانوں کے خلاف ایک فریق بن چکے تھے ـــــ انتقالِ اقتدار کی تاریخ یکم جون ۱۹۴۸ء کے بجائے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تک لے آنے سے آگ اور خون کے ایک بدترین کھیل کی بنیاد رکھ دی گئی تھی۔ کانگرس نے ڈومینین کی حیثیت قبول کرنے کا لالچ دے کر ماؤنٹ بیٹن کو انسانی تاریخ کے بدترین جرائم میں حصّہ دار بنا لیا تھا۔

یہ بات اب کوئی راز نہیں رہی تھی۔ کہ جب وی پی مینن نے ماؤنٹ بیٹن کو یہ نوید سُنائی کہ کانگرس ایک شرط پر بھارت کو ڈومینین بنانے کے لئے تیار ہے تو ماؤنٹ بیٹن خوشی سے اچھل پڑا! اس عزت افزائی کے لئے اُسے نہرو، پٹیل اور گاندھی کی ہر شرط منظور تھی۔ اور وہ شرط یہ تھی کہ: انتقالِ اقتدار کی تاریخ یکم جون ۱۹۴۸ء کی بجائے چند ماہ پہلے یعنی اگست کے وسط ۱۹۴۷ء تک کر دی جائے۔ اب شائد اس بات کی وضاحت کی ضرورت نہیں رہی کہ آخر وہ کون سا مسئلہ تھا جسے حل کرنے کے لئے کانگرس انتقالِ اقتدار کی تاریخ چند ماہ قبل کرا لینا ضروری سمجھتی تھی۔

پنجاب میں کانگرس کی سب سے بڑی اُلجھن یہ تھی کہ یہاں سکھوں کی پانچ ریاستیں موجود تھیں۔ جن کے بیشتر حکمران مسلمانوں کے ساتھ بہتر تعلقات رکھنے میں اپنا فائدہ دیکھتے تھے۔ کانگرس کے نزدیک ان سکھ والیانِ ریاست کو مسلمانوں سے دور رکھنے کا بہترین طریقہ یہی تھا کہ انہیں مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر ایسے قتل و غارت پر آمادہ کیا جائے جس سے باہمی نفرت اور عداوت کی بنیادیں مضبوط تر ہو سکتی ہوں اور سکھ اپنے طرزِ عمل سے مسلمانوں کی نظر میں اتنے قابلِ نفرت بن چکے ہوں کہ ان کے درمیان کسی مسئلے پر بھی سمجھوتے کا امکان باقی نہ رہے۔

مہاراجہ پٹیالہ جیسے پنجاب کے سکھ اور غیر مسلم والیانِ ریاست کے درمیان ایک لیڈر کی حیثیت حاصل تھی، مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھنے کی پالیسی پر کاربند تھا، لیکن ماسٹر تارا سنگھ کی اشتعال انگیزی کے باعث پٹیالہ کا یہ نوجوان ولی عہد بُری طرح آکال سینا کے زیرِ اثر آ چکا تھا۔

ہندو سیاست دان اور ہندو پریس جس قدر پنجاب میں سکھوں کی ایک علیحدہ سلطنت ـــــ خالصتان کی حمایت کرتا تھا۔ اسی قدر اس بات سے خوف زدہ تھا کہ اگر سکھ والیانِ ریاست نے ذرا عقل سے کام لیا اور وہ مسلمانوں کے ساتھ ٹکر لینے کے بجائے مشرقی پنجاب میں کانگرس سے اپنا حصّہ مانگنے پر بضد ہو گئے تو ان کے بڑھتے ہوئے مطالبات کے سامنے ہندوؤں کو جمنا تک پسپائی اختیار کرنا پڑے گی۔ ہندو اپنے سیاسی ترکش کے ایک ہی تیر سے کئی شکار مارنا چاہتے تھے۔ پنجاب کی تقسیم کے بعد جب سکھوں کے دلوں میں اپنی سلطنت قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ تو کانگریس کے مہاجنوں کے ذہنوں نے

جو حل پیش کیا وہ یہ تھا کہ مشرقی پنجاب کا جتنا حصہ تم مسلمانوں کے وجود سے خالی کروا لو گے وہ تمہارا خالصتان ہوگا۔ چنانچہ ماؤنٹ بیٹن نے انتقالِ اقتدار میں جس قدر جلد بازی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اسی قدر تیزی کے ساتھ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتلِ عام کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

ماؤنٹ بیٹن انتقالِ اقتدار کی تاریخ کو چند ماہ پہلے لے آنے کے لئے بذاتِ خود لندن پہنچا تھا۔ اور لیبر وزارت سے انتقالِ اقتدار کی تاریخ کے علاوہ ان تمام شرمناک سازشوں کی اجازت بھی لے کر آیا تھا۔ جنہیں گاندھی کے چیلے پاکستان کی تباہی کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ بعد میں آنے والے حالات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ریڈ کلف ایوارڈ میں جس قدر بددیانتی اور بے حیائی کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔ وہ سب کچھ برطانوی دور کے اس آخری وائسرائے کی بھاگ دوڑ کا نتیجہ تھی۔ جو عملی طور پر پٹیل اور نہرو کا آلہ کار بن چکا تھا اور تاریخ میں یہ یادگار چھوڑنا چاہتا تھا۔ کہ اس نے بیک وقت بھارت اور پاکستان کا گورنر جنرل بن جانے کی سعادت حاصل کی تھی! لیکن انتقال اقتدار سے پہلے ہی وہ ہندو نوازی میں اس قدر ننگا ہو چکا تھا کہ قائدِاعظم اس سے مزید دھوکا نہیں کھا سکتے تھے۔

اگست ۱۹۴۷ء کی آمد کے ساتھ ہی ہندوستان کے طول و عرض میں بالعموم اور مشرقی پنجاب میں بالخصوص۔ مسلمانوں کا قتلِ عام شروع ہو چکا تھا۔ جسے کانگرس کے لیڈر پاکستان کی تباہی کے لئے کافی سمجھتے تھے۔ ان کے ذہنوں میں پاکستان کا نقشہ کچھ اس طرح تھا کہ تقسیم کے وقت بھارت میں انگریز نے رسل و رسائل اور انتظامیہ کا جو نظام چھوڑا تھا۔ وہ دہلی

میں اپنے مرکزی دفاتر کے ساتھ براہ راست کانگرس کو منتقل ہو گیا تھا۔ بری، بحری اور ہوائی افواج کے دفاتر بھی ان کے حصے میں آ گئے تھے۔ پاکستان اس کے مقابلے میں ایک نیا گھر تھا، جسے مسلمانوں نے اپنے وسائل کے مطابق تعمیر کرنا تھا۔ اس پر پہلی ضرب یہ لگائی گئی تھی۔ کہ بھارت میں ہندو اکثریت کا کوئی صوبہ یا علاقہ تقسیم نہیں ہوا تھا، لیکن مسلم اکثریت کے صوبے اور اضلاع تک تقسیم کر دیئے گئے۔ ہندوؤں کی خواہش کا احترام کرنے کے لئے اس ناانصافی میں بھی حالات اور ضرورت کے مطابق نئے قاعدے وضع کر لئے گئے تھے۔ یہاں تک کہ جب ناانصافی کے لئے کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی تھی تو "دیگر لوازمات" ——— کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی۔ اگر یہ مبہم اصطلاح استعمال کرنے کے بجائے ریڈ کلف، ماؤنٹ بیٹن کی خوشنودی لکھ دیتے تو لوگ زیادہ آسانی کے ساتھ اس کا صحیح مفہوم سمجھ لیتے۔ تاریخ کی بے انصافیاں ان لوگوں کے لئے ہوتی ہیں۔ جو مظلوم ہو کر پوری قوت کے ساتھ ظلم اور زیادتی کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ یہی حالت ہماری تھی ہمیں اس وقت ہوش آیا تھا جب وقت کی آندھیوں نے ہمیں بری طرح گھیر لیا تھا۔ پھر جب زمین ہمارے خون سے سرخ ہو رہی تھی۔ تو ماؤنٹ بیٹن دنیا کو یہ خوش خبری سنایا کرتا تھا کہ: "ہم فساد کرنے والے ہندوؤں کو کچل دیں گے"۔

۱۴ اگست سے قبل سکھ اور ہندو ریاستوں کے فوجی دستے ایک منظم طریقے سے ان راستوں پر پھیلا دیئے گئے تھے جن پر کنٹرول ایک منظم قتلِ عام کے لئے ضروری تھا۔ اور دیش بھگت ہندو اپنے سکھ بھائیوں کا "خالصتان" بنا رہے تھے اور وہ خالصتان، مسلمانوں کی جلتی ہوئی بستیوں اور ان کے بہتے ہوئے خون سے بن رہا تھا۔

ماؤنٹ بیٹن اور نہرو کی حیثیت بے بس اور خاموش تماشائیوں کی سی تھی سردار پٹیل کے لئے خاموش رہنا بہت مشکل تھا۔ وہ اس طوفان میں بھی ہندو جاتی کو مشتعل کرنے کا کوئی موقع کھونا نہیں چاہتا تھا۔ گاندھی امن اور شانتی کے حق میں بیان دیا کرتے تھے، لیکن دراصل ہندو راج کے لئے یہ آگ تو انہوں نے خود ہی برسوں کی محنت سے سلگائی تھی۔ بھلا اب وہ کیسے بجھنے کا نام لیتی؟

ہندو اپنے دیرینہ خوابوں سے زیادہ حاصل کر چکا تھا: بھارت کے ساتھ اس کے قبضے میں ملک کی تمام اسلحہ کی فیکٹریاں اور ڈپو آ گئے تھے۔ فوج کی تقسیم کا مسئلہ ابھی ادھورا تھا۔ وہ بیشتر ہیڈ ورکس جن سے پنجاب سیراب ہوتا تھا انہی کے قبضے میں چلے گئے تھے۔ نہرو کشمیر کو ہڑپ کرنے کے لئے بے چین تھا۔ اور اس کے پیارے ماؤنٹ بیٹن نے بھارتی افواج کو کشمیر کا راستہ دینے کے لئے ضلع گورداسپور کی قربانی پیش کر دی تھی۔

گورداس پور کو اچانک بھارت میں شامل کر دینے کی خبر امرت سر سے لے کر ہوشیار پور اور کانگڑہ کے مسلمانوں پر ایک بجلی کی طرح گری تھی۔ جو اس اُمید پر بیٹھے ہوئے تھے کہ خطرے کے وقت گورداس پور ان کی جائے پناہ ہوگی۔ پھر ایک علاقے کے قافلے دوسرے علاقے کا رخ کر رہے تھے اور ہر بستی کے رہنے والے یہ سمجھ رہے تھے کہ ان کے مشرق، جنوب یا شمال کی طرف یا ان کے راستے میں جو بستی آئے گی۔ وہ ان کے گھر کی نسبت زیادہ محفوظ ہوگی۔ لوگوں کی ٹولیاں پہلے اس طرف بھاگتی تھیں جہاں ان کے رشتہ دار رہتے تھے۔ جب وہ وہاں پہنچتے تو اُجڑی ہوئی بستیاں اور بکھری ہوئی لاشیں ان کا استقبال کرتیں۔ ہندوؤں نے بڑی ہوشیاری سے سکھوں کے

ذہنوں میں یہ بات ڈال دی تھی کہ جس قدر زیادہ تعداد میں وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے اسی قدر ان کے خالصتان کا قیام یقینی ہو جائے گا وہ انہیں روپیہ اور اسلحہ بھی مہیا کرتے تھے۔

پولیس ہر جگہ موجود تھی۔ لیکن صرف ان مقامات پر جاتی تھی۔ جہاں مسلمان ان کی توقع سے زیادہ جرأت کا مظاہرہ کرتے۔ ریلوے کا محکمہ موجود تھا۔ لیکن ڈ ہندو اور بلوائیوں کی خواہش کے مطابق گاڑیاں روکتے اور چلاتے تھے۔ آج چالیس، بیالیس سال بعد مسلمانوں کو یہ سمجھنے کے لئے کہ: انہوں نے کتنی قربانیوں کے بعد پاکستان حاصل کیا تھا۔ ان چھوٹی بڑی کربلاؤں کا ذکر کرنے کی ضرورت ہے۔ جو پنجاب کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اور پاکستان کی موجودہ نسل شاید ان قافلوں کے آلام و مصائب کا اندازہ لگا سکے جو بھارت سے پاکستان کی طرف جانے والے مختلف راستوں میں یکایک اس طرح گم ہو گئے تھے کہ کسی کو آج تک ان کا سراغ تک نہیں مل سکا۔

ریڈکلف ایوارڈ کے اعلان سے دو دن قبل سہ پہر کے وقت یوسف کے والد اور خاندان کے دوسرے لوگ مسجد کے قریب پلکن کے قد آور درخت کی چھاؤں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فضا میں بہت حبس تھا۔ اس کے ہائی سکول کے دو ماسٹر بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ عبدالرحیم ان سے شکایت کر رہا تھا۔ کہ جب یوسف کسی نازک وقت پر گھر سے غائب ہو جاتا ہے تو مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اب یہ بتانے والا کوئی بھی تو ایسا نہیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟

ماسٹر نے کہا "جناب! یوسف کے متعلق آپ کو اطمینان رکھنا چاہیئے کہ

وہ کوئی اچھا کام ہی کر رہا ہوگا۔"

"لیکن وہ صبح اٹھتے ہی چلا گیا تھا اور ابھی تک اس کا کوئی پتہ نہیں۔ گھر میں کسی نہ کسی کو اس کا پروگرام معلوم ہوتا ہے لیکن اس دفعہ وہ کچھ بتا کر نہیں گیا"

"جناب، یوسف مسلح ہو کر گیا ہے نا؟"

غلام نبی نے جواب دیا۔ "جی ہاں! وہ مسلح تھا۔"

"لیکن مجھے یہ ڈر ہے کہ وہ کسی جتھے کے نرغے میں نہ آگیا ہو۔"

بھلّو جو زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بولا: "جناب! اس ملک کا کوئی جانور یوسف کے گھوڑے کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا اسے گھیر لینا کسی کے بس کی بات نہیں" ——— پھر تھوڑے وقفے کے بعد وہ بولا: "میاں جی! میرا دل کہتا ہے کہ یوسف صاحب آ رہے ہیں"۔ یہ کہتے ہوئے اس نے لیٹ کر زمین کے ساتھ کان لگا دیا۔ اور پھر اچانک اٹھ کر بھاگتا ہوا مہمان خانے کے پچھواڑے غائب ہو گیا۔

اب باقی لوگ بھی گھوڑے کی ٹاپ سن رہے تھے۔ یوسف اچانک نمودار ہوا اور بھلّو کے ہاتھ میں لگام تھما کر سیدھا عبدالرحیم کی طرف بڑھا اور السلام علیکم کہتے ہوئے کسی تمہید کے بغیر بولا:

"ابا جی! میں نے یقیناً آپ کو بہت پریشان کیا ہوگا، لیکن میں نے یہ وقت بے کار ضائع نہیں کیا"——— پھر اس نے ہائی سکول کے ماسٹروں سے باری باری مصافحہ کیا۔

"اللہ رکھا! پانی کا گلاس لاؤ مجھے بہت پیاس لگی ہے۔"

چند ثانیے بعد وہ ٹھنڈے پانی سے اپنی پیاس بجھا کر اپنے باپ سے کہہ

رہا تھا:

"ابا جی! مجھے ڈر ہے کہ آپ اسے میرا وہم نہ سمجھیں۔ لیکن جن حالات سے ہم گزر رہے ہیں۔ انہیں دیکھ کر ہمیں غیر متوقع باتوں پر بھی یقین کرنا پڑتا ہے۔ جب ماؤنٹ بیٹن انتقال اقتدار کا پروگرام یکم جون ۱۹۴۸ء سے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء پر لے آیا تھا تو میرا ماتھا اس وقت بھی ٹھنکا تھا۔ میرے نزدیک اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ جب ملک کی تقسیم کے ساتھ ہی ہندوستان کے طول و عرض میں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو جاتے تو ہماری حفاظت کے لئے نہ ہمارے ملک کی فوجیں یہاں ہوں گی اور نہ ہی ہمارے پاس اسلحہ ہوگا۔ پھر آپ کو یاد ہے کہ تین جون کے اعلان کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا تھا۔ کہ جن علاقوں میں کسی کی برائے نام بھی اکثریت ہوگی۔ وہ پورے کے پورے پاکستان یا ہندوستان میں شامل نہیں کر دیئے جائیں گے۔ اس نے خاص طور پر گورداسپور کی مثال دی تھی اگر اس کے ذہن میں کوئی ایسا فارمولا تھا تو اس نے ہوشیار پور اور جالندھر کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ وہاں کئی علاقوں میں ہماری اکثریت ہے۔"

سکول ماسٹر نے کہا: "میاں یوسف، ہم تو اس بات پر خوش ہو رہے تھے کہ اس طرح ہماری اکثریت کے بہت سے علاقے بھی پاکستان میں آ جائیں گے۔"

یوسف نے کہا: "جناب، ماؤنٹ بیٹن کے سامنے ہندوستان کو تقسیم کرنے کا پروگرام نہیں ہے۔ وہ صرف ہندو کی خواہش کے مطابق پاکستان کے حصے بخرے کرنا چاہتا ہے ونسٹن چرچل کے اس بیان میں بڑا وزن ہے کہ: "لیبر وزارت ملک کی تقسیم میں ایک مجرمانہ جلد بازی سے کام لے رہی ہے"!

میں ایسا محسوس کر رہا ہوں کہ بھارت کو کشمیر تک رسائی حاصل کرنے کے لیے راستے کی ضرورت ہے اور ماؤنٹ بیٹن ہندو کی یہ خواہش پوری کرنے کے لئے ضلع گورداسپور ان کے حوالے کر دے گا۔ پھر وہ لوگ جو اب تک یہ سوچ رہے تھے کہ امرتسر، ہوشیار پور، کانگڑہ مشرقی پنجاب کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور جموں کے لوگ جو اس امید پہ زندہ ہیں کہ وہ خطرے کے وقت گورداسپور میں پناہ لے سکیں گے، یکایک آگ اور خون کے طوفان کا سامنا کر رہے ہوں گے۔ میری اطلاعات یہ ہیں کہ ضلع گورداسپور کے گوردواروں میں سکھ ریاستوں کے مسلح سپاہی پہنچ چکے ہیں اور ہندو ساہوکار ان کی ضروریات پوری کر رہے ہیں۔ ریڈکلف کا اعلان ہمارے سر پہ اچانک بجلی بن کر گرے گا۔"

عبدالرحیم نے کہا: "بیٹا، اگر کوئی اور مجھ سے یہ بات کرتا تو میں شاید اُس کا سر پھوڑنے کی کوشش کرتا، لیکن اب میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟"

یوسف نے جواب دیا: "اباجی! میں تمام انتظام مکمل کر کے آیا ہوں۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ مجھے چچا عبدالعزیز صاحب اور عبدالکریم صاحب ٹیلی فون پر مل گئے تھے۔ اور وہ دونوں مجھ سے متفق ہیں ——— صبح ہوتے ہی تین لاریاں ہمارے گاؤں میں پہنچ جائیں گی اور آپ کے آرام کے لئے عبدالکریم اپنی کار بھی بھیج دے گا۔ میں شہر سے بھی ایک گاڑی کا انتظام کر آیا ہوں۔ موٹروں پر ضروری استعمال کے سامان کے سوا کوئی اور چیز لادنے کی اجازت نہیں ہوگی۔" پھر وہ سکول ماسٹر کی طرف متوجہ ہوا: "جناب! جو لوگ ہمارے ساتھ جانا چاہتے ہیں انہیں ہم راستے سے اٹھا لیں گے۔ لیکن ابھی یہ بات مشہور نہیں ہونی چاہیئے۔ کہ ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔ اب آپ اپنے

گھر جا کر اپنی گٹھڑیاں باندھ لیں اور ہمیں صبح کی نماز کے فوراً بعد یہاں سے نکل جانا چاہیئے۔"

غلام نبی نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا: "بھائی جان، مجھے یقین نہیں آتا کہ کل صبح ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔ اور وہ بھی ہمیشہ کے لئے۔"

گاؤں کی مسجد میں آخری نماز

یوسف کے گاؤں سے نکلنے والا قافلہ روانہ ہو چکا تھا اور امرت سر سے آگے لاہور کا رُخ کر رہا تھا۔ وہ واہگہ سے دس میل دور تھے کہ سامنے سے ایک تیز رفتار کار نمودار ہوئی اور چلانے والے نے قافلے کو رکنے کا اشارہ کر کے اپنی کار روک لی۔

یوسف نے جو اپنے والد کے ساتھ سب سے اگلی کار میں بیٹھا ہوا تھا۔ منظور کو دیکھ کر اپنی موٹر روک لی اور پیچھے آنے والوں کو بھی رکنے کا اشارہ کیا۔
یوسف نے کہا۔ "مجھے معلوم تھا کہ تم پریشان ہو گے لیکن ہم نے دیر تو نہیں کی؟"

منظور بولا: "بھائی پریشانی کی یہ بات ہے کہ چچی بلقیس کو صبح ہوتے ہی یہ اطلاع ملی ہے کہ نسرین عمر اور اس کے والدین راستے کے خطرات سے بچنے کے لئے بہت جلد دریا عبور کر کے سیدھے آپ کے گاؤں پہنچ جائیں گے ——— انہوں نے ہوشیار پور میں قائم دین کو یہ کہہ کر بھیجا ہے کہ کوئی خطرہ مول نہ لیں، لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ آج صبح روانہ ہو جائیں۔"
یوسف نے اپنے دل میں ناخوشگوار دھڑکنیں محسوس کیں۔ پھر اسے ایسے محسوس ہوا کہ اس کے سارے وجود میں جیسے بجلیاں دوڑ رہی ہیں۔
اس نے کہا: "منظور! تم اباجی کے ساتھ کار میں سوار ہو جاؤ میں واپس جا

رہا ہوں اور اباجی کو پریشان کرنے کی ضرورت نہیں کہ میں کہاں گیا ہوں اور کیوں گیا ہوں۔"
منظور بولا: "بھائی جان، میں آپ کے ساتھ جاؤں گا۔"
یوسف نے تلخ ہو کر کہا: "تم میری وہاں کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ الٹا میرے لئے مصیبت بن جاؤ گے۔ میں نے کبھی تمہیں حکم نہیں دیا۔ آج میں تمہیں یہ حکم دے رہا ہوں۔"
منظور نے بغلگیر ہو کر کہا: "اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔"
یوسف نے کہا: "اب وقت ضائع نہ کرو اور موٹر میں اباجی کے ساتھ کوئی ایسی بات شروع کر دو کہ ان کی توجہ مجھ سے ہٹ جائے میرا خیال ہے کہ ریڈ کلف ایوارڈ کا اعلان ہو چکا ہو گا اگر یہ اعلان وہی ہے جو میں سمجھتا ہوں۔ اس کے بعد اگر سڑکیں بند ہو گئیں تو مجھے واپسی کے لئے کوئی اور انتظام کرنا پڑے گا۔ انتہائی خطرناک حالات میں بھی میں یہ کوشش کروں گا کہ میں جگت سنگھ کے گاؤں سے راوی عبور کروں۔ اگر لوگ ہمارے گھوڑے لے نہیں گئے تو ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔ ورنہ سردار منگل سنگھ ہماری پوری مدد کرے گا۔"
منظور عبدالکریم کے ساتھ دوسری کار میں جا بیٹھا اور یوسف نے کسی توقف کے بغیر اپنی کار اسٹارٹ کر دی۔

وہ کوئی دو فرلانگ آگے گیا تھا کہ پیچھے سے ایک تیز رفتار ٹرک ہارن دے کر اس کے آگے ہو گیا تو ڈرائیور نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا۔ ٹرک پر دو فوجی افسر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور چھ مسلح جوان ان کے پیچھے تھے۔ یوسف کو پہلا اطمینان یہ دیکھ کر ہوا کہ ان میں سے کوئی سکھ معلوم نہیں ہوتا تھا۔ دونوں افسر ٹرک سے اتر پڑے اور ایک نے اپنے

ساتھی سے کہا: "یار تم نے اتنی دور سے انہیں پہچان لیا تھا۔ لیکن اس نے ابھی تک ہمیں نہیں پہچانا۔"

یوسف نے گاڑی سے اتر کر باری باری اُن سے بغلگیر ہوتے ہوئے کہا:

"یار و پہچان لیا ہے میں نے!" پھر وہ کہنے لگا: "در اصل، اس وقت میں صرف سکھ اور مسلمان کو پہچاننے کی کوشش کرتا ہوں۔ اگر تم دونوں سکھ ہوتے اور تمہارے پیچھے بھی سکھ ہوتے تو پھر تم میری کار کی رفتار دیکھتے۔ میں نے کار روکتے وقت یہ اطمینان کر لیا تھا کہ آپ سکھ نہیں ہیں لیکن جب کوئی پریشانی ہو تو پہچاننا ذرا مشکل ہو جاتا ہے آپ کہاں تک جا رہے ہیں؟"

بھئی آج رات ہم بٹالے یا گورداسپور رکیں گے۔ اور کل صبح کمانڈنگ افسر کے حکم پر اپنی اپنی ڈیوٹیاں سنبھال لیں گے۔"

یوسف نے کہا: "یار آفتاب! کیا تم دھاریوال نہیں رک سکتے وہاں نہر کا ڈاک بنگلہ تمہارے لئے آرام دہ ہوگا اور تمہارے ساتھیوں کو بھی وہاں سکون ملے گا۔"

میجر آفتاب نے کہا: "بھئی مجھے تو کوئی اعتراض نہیں، لیکن آپ کیپٹن نعیم سے بھی پوچھ لیں۔"

نعیم بولا: "میں تو یوسف صاحب کے گاؤں جانے کو بھی تیار ہوں۔"

یوسف نے کہا: "نعیم صاحب، ہمارا گاؤں خالی ہو چکا ہے۔ میں ایک اہم مہم پر راستے سے واپس آ رہا ہوں۔ میں آپ کو اپنے خالی گاؤں کی طرف جانے کے خطرے میں نہیں ڈالوں گا، لیکن دھاریوال میں شاید مجھے آپ کی مدد کی ضرورت پیش آ جائے۔"

میجر آفتاب نے کہا: "بھائی صاحب، ایسی مہم کو ہم اپنے فرائض میں شامل کر سکتے ہیں۔"

یوسف نے کہا: "میں جن لوگوں کی مدد کو جا رہا ہوں اگر وہ بچ گئے تو ہم رات کسی

وقت ڈاک بنگلے پہنچ جائیں گے۔ وہاں سے تین چار گھنٹے کے اندر اندر آپ انہیں راوی کے کنارے پہنچا کر واپس آ سکتے ہیں۔ وہ گاؤں جہاں سے ہم نے دریا عبور کرنا ہے ہمارے لئے زیادہ محفوظ ہے۔"

کیپٹن نعیم نے کہا: "بھئی یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ آپ خطرناک مہم پر تنہا کیوں جانا چاہتے ہیں؟"

یوسف نے جواب دیا: "میں بہت سوچ سمجھ کر تنہا جا رہا ہوں۔ اگر کسی ساتھی کی ضرورت ہوتی تو میں منظور صاحب اور دوسرے مسلح آدمیوں کو واپس نہ کرتا۔"

میجر آفتاب بولا: "بھائی صاحب، ہم صبح کی نماز تک آپ کا انتظار کریں گے۔ ورنہ یہ سمجھ لیا جائے گا۔ کہ ہم پاکستان کے لئے اپنے ایک عظیم ساتھی کی قربانی دے چکے ہیں۔"

یوسف نے کہا: "اگر آپ دونوں کار پر آ جائیں تو آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو آرام ملے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" میجر آفتاب اور کیپٹن نعیم اپنے ساتھیوں کو ہدایات دینے کے بعد یوسف کے ساتھ بیٹھ گئے! یوسف نے پیش آنے والی مہم کے متعلق باتیں شروع کر دیں اور غروب آفتاب کے وقت وہ دھاریوال کے ریسٹ ہاؤس میں پہنچ گئے۔

یہاں آ کر انہوں نے وضو کیا اور مغرب کی نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی یوسف نے کچھ مزید کہے بغیر کار سٹارٹ کر دی تو کیپٹن نعیم نے بھاگ کر کہا: "یوسف صاحب کیا آپ کو اب بھی یقین ہے کہ آپ کو اپنے اس سفر میں کسی ساتھی کی ضرورت نہیں؟"

"نعیم صاحب!" یوسف بولا: "اگر ضرورت ہوتی تو میں آپ کو بلا جھجک بتا دیتا ——
میں یہاں سے آنکھیں بند کر کے اپنی منزل تک پہنچ سکتا ہوں۔"

اور چند منٹ بعد یوسف نے اپنے گاؤں کے قریب پہنچ کر کار اپنے امرود کے باغ میں کھڑی کر دی۔

گاؤں کی طرف مکمل خاموشی تھی، یہاں تک کہ کتوں کے بھونکنے کی آواز بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔ دور گیدڑوں کے چیخنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

چند منٹ بعد وہ گاؤں کی مسجد میں داخل ہُوا۔ اور وضو کر کے نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ نماز کے دوران وہ بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کر رہا تھا۔ یہ مسجد اس کے پردادا کی یادگار تھی اور یہاں آخری نماز ادا کرنے کے بعد وہ پاکستان کی سلامتی اور ان عزیزوں کی سلامتی کی دعا مانگ رہا تھا جو پاکستان جا چکے تھے۔ اس نے مسجد کے فرش پر ہاتھ رگڑ کر اپنی آنکھوں سے لگا لئے اور اُٹھ کر باہر نکل آیا۔ وہاں اسے جنوب کی طرف سرپٹ گھوڑے کی آواز سنائی دی۔ وہ اس درخت کے نیچے جا کھڑا ہوا۔ جس کی شاخیں دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ سوار نے مسجد کے قریب آکر گھوڑا روکا اور گاؤں کے سکوت میں ایک درد ناک آواز سنائی دینے لگی:

"بھائی جان! بھائی جان!! بھائی جان!!! میں آپ کے گاؤں سے آپ کو آوازیں دے رہی ہوں۔ بھائی جان! مجھے معلوم ہے کہ میری آواز آپ کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی۔ لیکن میں اس کے سوا اور کر بھی کیا سکتی ہوں؟"

یوسف نے ٹارچ روشن کی اور سوار کی پہلی جھلک دیکھنے کے بعد آگے بڑھ کر ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا:

"نسرین! میں یوسف ہوں!"

نسرین، گھوڑی سے کُود کر چیخیں مارتی ہُوئی اس کے ساتھ لپٹ گئی۔

"بھائی جان! مجھے یقین تھا کہ آپ میرے انتظار میں کھڑے ہوں گے!"

یوسف نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: "تم ٹھیک ہو نا؟"

"بھائی جان، میں بہت بدقسمت ہوں کہ زندہ ہوں!" نسرین بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کر رہی تھی۔

"میری بہن، میری بیٹی! تم تو بہت بہادر ہوا کرتی تھی، خدا کے لئے مجھے بتاؤ کیا ہُوا؟"

"بتانے والی کوئی بات نہیں بھائی جان، مجھے اب یہ بھی یقین نہیں آتا کہ میں آپ کے پاس کھڑی ہوں ——— آپا خالدہ، بھائی حسن علی اور عمر شہید ہو چکے ہیں۔ ——— بھائی جان حسن علی کہتے تھے کہ اس تحصیل میں ہماری اکثریت ہے اور ہم پاکستان میں رہیں گے۔ لیکن ابا جی نے لکھا تھا کہ ہم یا تو جالندھر آ جائیں تاکہ وہاں سے اکٹھے لاہور پہنچ جائیں یا دریا عبور کر کے ضلع گورداسپور میں داخل ہو جائیں۔

صبح جب ہم دریا عبور کر چکے تھے تو یہ افواہ مشہور تھی کہ آپ کا گاؤں بھی ہندوستان میں آ چکا ہے۔ پھر کافی دیر ہم یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ ہمیں کہاں جانا چاہیے۔ بھائی حسن علی، عمر اور ہمارے تین نوکر سب مسلح تھے۔ ہمارے خاندان کے باقی گیارہ آدمیوں کے پاس بھی بندوقیں تھیں۔ ایک بجے کے قریب ہم اس طرف چل پڑے۔ لیکن دو میل آگے ہمارے راستے میں پہلے گاؤں پر حملہ ہو چکا تھا۔ ہم نے گاؤں کے لوگوں کا ساتھ دیا اور سکھ اپنے کئی ساتھیوں کی لاشیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس گاؤں کے اور آس پاس فصلوں میں چھپے ہوئے لوگ ہمارے قافلے کے ساتھ شامل ہو گئے اور ہم راستے کے خطرناک علاقوں سے کتراتے ہوئے آگے بڑھے لیکن نہر کے پل پر ڈاک بنگلے میں سکھوں کا ایک بڑا جتھا موجود تھا اور ان کی وجہ سے ہمارے لئے پل کے راستے نہر عبور کرنا ناممکن تھا۔

بھائی جان کی ہدایت پر قافلے کے چار پانچ سو آدمی جن کے پاس لاٹھیوں

کلہاڑیوں کے سوا اور کوئی ہتھیار نہ تھا۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھے تو سکھ جوش و خروش سے نعرے لگاتے ہوئے ہمارے سامنے آ گئے۔ ہمارے بائیں ہاتھ دور تک کماد کے کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ بھائی جان، عمر اور ان کے ساتھ بندوقوں اور رائفلوں سے مسلح آدمی کماد کے کھیتوں میں سے گزرتے ہوئے نہر کے کنارے پہنچ گئے اور انہوں نے بے تحاشا فائرنگ شروع کر دی۔ سکھ کئی لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ بھائی جان حسن علی نے دور تک ان کا تعاقب کیا، جب واپس آتے تو وہ زخمی تھے اور عمر اُن کے ساتھ نہیں تھا۔ وہ کسی ایسی جگہ چلا گیا تھا جہاں پر بھاگنے والے سکھ اس کی تاک میں تھے، بھائی حسن علی فخر سے یہ کہتے تھے کہ میرے بیٹے نے اپنی رائفل اور پستول کی آخری گولیاں چلانے کے بعد یہ ہتھیار نہر میں پھینک دیئے تھے۔"

یوسف نے مضطرب ہو کر پوچھا: "میری بہن! میری بیٹی! خدا کے لئے، مجھے آپا خالدہ اور بھائی حسن علی کے متعلق بتاؤ وہ کہاں ہیں؟"

"وہ بھی شہید ہو گئے ہیں، بھائی جان! نہر سے دو میل آگے ہم پر اُن نئے جتھوں نے حملہ کیا تھا جن کے پاس آتشیں اسلحہ تھا، بھائی جان کے آخری الفاظ جو میں نے سنے تھے یہ تھے کہ ——— ہمارے مقابلے میں کسی سکھ ریاست کی فوج آ گئی ہے نسرین! خدا کے لئے تم یہاں سے نکل جاؤ۔ اگر تم یوسف کے گاؤں میں پہنچ گئیں تو تمہاری جان بچ جائے گی۔ تمہاری بہن زخمی ہے اسے اپنے پیچھے بٹھا لو ——— بھائی جان! مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ آپا جان کب زخمی ہوئی تھیں۔ بھائی جان، انہیں میرے پیچھے سوار کرواتے ہوئے گولی کھا کر گر پڑے۔ جب میں انہیں لے کر بھاگی تو کسی نے پیچھے سے نیزا مارا اور آپا بھی گر پڑیں۔ بھائی جان! میرا پستول بھرا ہوا تھا اور میں چاہتی تھی کہ میں بھی وہیں شہید ہو جاؤں، لیکن ہمارے ایک

نوکر نے دہائی دی ——— بیٹی، خدا کے لئے اپنی جان بچاؤ، تمہیں معلوم نہیں کہ یہ لڑکیوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں ——— اس کے ساتھ ہی اس نے میری گھوڑی کی ٹانگوں پر لاٹھی مار دی۔ گھوڑی تڑپی، اُچھلی اور ایک طرف بھاگ پڑی مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ میں کہاں جا رہی ہوں اور میرا رخ کس طرف ہے۔ میں نے اسے کسی جگہ رکنے نہ دیا۔ شام کے وقت ایک گاؤں کے قریب گھوڑی کی رفتار اچانک سست ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک حویلی کے سامنے رُکی۔ جس کے پھاٹک سے باہر چند آدمی کھاٹوں پر بیٹھے ہوئے تھے ——— ایک آدمی نے پوچھا:

"کون ہے؟" ——— مجھے یہ یقین ہو چکا تھا۔ کہ یہ سردار منگل سنگھ کی حویلی ہے۔ جس نے آپ کو یہ گھوڑی دی تھی۔ پھر بھی ایسے وقت میں میرے لئے کسی پر اعتبار کرنا آسان نہیں تھا میں نے گھوڑی کو ایڑ لگا کر باگ موڑ لی اور کوئی جواب دیئے بغیر گاؤں سے باہر بھاگ نکلی ——— بھائی جان! مجھے اس بات کا خوف تھا کہ آپ کا گاؤں بھی سنسان ہو چکا ہو گا۔ لیکن آپ میری بات پر یقین کریں، میں نے یہ دعا نہیں مانگی تھی کہ آپ گاؤں میں موجود ہوں۔ میں بار بار اپنے دل میں کہہ رہی تھی۔ خدا کرے کہ آپ یہاں سے نکل کر پاکستان پہنچ چکے ہوں۔"

"نہیں نسرین، یہ ناممکن تھا ——— مجھے ایک وہم سا ضرور تھا کہ شاید وہاں سے کوئی دریا عبور کر کے اس طرف آ جائے، لیکن یہ امید نہیں تھی کہ مجھے اطلاع بھی نہیں کی جائے گی۔ پھر تمہارے متعلق تو میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا مجھے لاہور کے قریب پہنچ کر تمہارے پروگرام کا علم ہوا تھا اور میں واپس لوٹ آیا تھا۔"

نسرین بولی: "دو ہفتے قبل آپا خالدہ جالندھر آئی تھیں اور امی اور ابو سے

بضد ہو کر مجھے اپنے ساتھ لے آئیں۔ کہتی تھیں کہ اگر ضرورت پڑی تو ہم گورداسپور کے راستے پاکستان پہنچ جائیں گے۔"

دو سرپٹ سواروں کی چاپ سنائی دی اور یوسف نے جلدی سے نسرین کو درخت کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا: "تم یہاں خاموش کھڑی رہو۔"

نسرین نے سہمی ہوئی آواز میں کہا: "بھائی جان! یہ شاید ہمارے آدمی ہوں"

یوسف نے جواب دیا: "نہیں، یہ منگل سنگھ اور اس کا کوئی ساتھی ہو سکتا ہے۔ تمہارے آدمی اس وقت گھوڑے بھگاتے ہوئے اس گاؤں کا رخ نہیں کریں گے۔ تم مجھے بتا سکتی ہو کہ تمہارے ان آدمیوں کے نام کیا ہیں؟"

"بھائی جان! ہمارے تین آدمی جو میرے ساتھ آ رہے تھے ان کے نام رحمت علی، محمد صادق اور عبدالرحمٰن تھے۔"

یوسف نے کہا: "اگر وہ اس طرف آئے ہیں تو میں انہیں تلاش کر لوں گا۔ وہ یہیں کہیں چھپے ہوئے ہوں گے۔"

اچانک یوسف نے محسوس کیا کہ گاؤں کے جوہڑ کی طرف سے کوئی دبے پاؤں اس کی طرف آ رہا ہے۔ اس نے ٹارچ روشن کی اور کہا: "بھلو! تم میری آواز نہیں پہچان سکے۔"

بھلو بھاگ کر آگے بڑھا اور اس نے یوسف کے پاؤں کو ہاتھ لگائے۔

یوسف نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا: "دیکھو بھلو! میں نے تمہیں اس بات سے منع کیا تھا۔"

"میاں جی! آپ کا حکم اس وقت تھا اب تو آپ میرے ٹکڑے بھی کر دیں تو میں آپ کے قدموں کو ہاتھ ضرور لگاؤں گا۔"

"میں اس وقت تمہارے ٹکڑے کرنے کے لئے یہاں نہیں آیا۔ گاؤں کے

باہر ہمارے چند ساتھی کہیں چھپے ہوئے ہیں تم انہیں آوازیں دو۔ اور انہیں یہ بتاؤ کہ ان کے ساتھ دریا کے پار سے جو بی بی آئی ہے وہ مسجد کے قریب یوسف کے ساتھ کھڑی ہیں ——— نسرین! تم ایک بار پھر اپنے ساتھیوں کے نام بتا دو۔ میں بھول گیا ہوں۔"

نسرین بولی، "بھائی جان! وہ رحمت علی، محمد صادق اور عبدالرحمٰن ہیں۔"

بھلو "بہت اچھا جی" کہہ کر ایک طرف چلا گیا۔

نسرین نے آہستہ سے پوچھا: "بھائی جان! آپ کے خاندان کے سب لوگ؟"

یوسف نے جواب دیا: "میں نے ٹیلی فون پر چچا عبدالعزیز سے مشورہ کرنے کے بعد ان کو گاؤں چھوڑنے پر آمادہ کر لیا تھا اور انہیں لاہور سے چند میل دور ایک جگہ پہنچا کر واپس آ گیا تھا۔"

"بھائی جان! جب آپ کو معلوم تھا کہ آپ کا گاؤں خالی ہو چکا ہے تو ——— آپ واپس کیوں آئے ہیں؟"

"مجھے اچانک اس خط کی اطلاع ملی تھی جو آپ نے لاہور بھیجا تھا۔"

اتنے میں چند سوار اندھیرے میں آتے ہوئے محسوس ہوئے۔ وہ قریب پہنچے تو یوسف نے آواز دی: "سردار منگل سنگھ! تم ہو؟"

"جی! میں ہوں۔ اور بہادر سنگھ کو بھی اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔"

یوسف نے کہا: "یار، اگر تم نسرین کو آواز دے دیتے تو وہ اس قدر خوف زدہ ہو کر یہاں نہ آتی۔"

"جی، میں نے گھوڑی تو پہچان لی تھی لیکن بی بی کو نہ پہچان سکا ——— یہ اس وقت کیسے آ گئیں؟"

بھتی، انہوں نے یہ سمجھ کر دریا عبور کیا تھا کہ ضلع گورداسپور پاکستان میں ہے۔ اور یہ اپنی بہن، بہنوئی اور ان کے بیٹے کی لاشیں راستے میں چھوڑ آئی ہیں"۔

بہادر سنگھ بولا: "یار! یہ اندھیر ہو رہا ہے۔ مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ دینا ناتھ نے ایک بڑے جتھے کو جس میں ریاستوں کے مسلح آدمی بھی شامل ہیں پردیسی درختوں میں ٹھہرا دیا ہے اور جو قافلے اس راستے آئیں گے ان پر پردیسی درختوں سے حملہ کیا جائے گا۔ دینا ناتھ کا گھر اب ایک بہت بڑا اسلحہ خانہ بن چکا ہے میں یہ بات افسروں کے نوٹس میں لا چکا ہوں، لیکن مجھے یہ دھمکی دی گئی ہے کہ اگر تم نے زیادہ شور مچایا تو تمہیں کسی اور جگہ بھیج دیا جائے گا۔ میں سردار منگل سنگھ سے پوچھنے گیا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے اور یہ تو مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ آپ ابھی تک گاؤں میں ہیں۔ میں تو سمجھتا تھا کہ آپ لاہور پہنچ چکے ہوں گے۔ بھگوان کے لئے یہاں سے فوراً نکلئے اور بابا جگت سنگھ جی کے پرانے گاؤں میں پہنچنے کے بعد آپ کے لئے کوئی خطرہ نہیں رہے گا"۔

یوسف نے مغموم لہجے میں کہا: "میں لاہور کے قریب اپنے ساتھیوں کو ہدایات دینے کے بعد وہاں سے لوٹ آیا تھا اور یہاں پہنچ کر مجھے یہ خیال آیا کہ گاؤں کی مسجد میں آخری نماز پڑھ لوں

جب میں نماز سے فارغ ہو کر دعا مانگ رہا تھا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ نسرین مجھے آوازیں دے رہی ہے۔ میں مسجد سے باہر نکلا تو یہ گھوڑی سرپٹ دوڑاتی ہوئی وہاں پہنچ گئی۔ اب میں نے سنا ہے کہ مسلح بلوائی پردیسی درختوں کے قریب قافلوں کا انتظار کر رہے ہیں"۔

منگل سنگھ نے کہا: "بھائی صاحب! ان کے متعلق سوچنا اب ہمارا کام ہے۔ آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ اس بچی کو بچانا آپ کا پہلا فرض ہے، دینا ناتھ اور اس کی

دعوت پر جمع ہونے والے بلوائیوں کا معاملہ اب ہمارے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ ہم سے جو کچھ ہو سکے گا وہ ہم ضرور کریں گے، میں اپنے گاؤں کے چند آدمی آپ کے ساتھ بھیجتا ہوں۔ آپ فوراً یہاں سے نکل جائیں"۔

جوہڑ کے دوسرے کنارے سے بھلو کی آواز سنائی دی: "میاں جی! آپ کے آدمی مل گئے ہیں۔؟"

اور تھوڑی دیر بعد وہ ان کے سامنے کھڑے تھے ــــــ

یوسف نے کہا: "تم ہمارے تازہ دم گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ اور اپنے گھوڑے یہیں چھوڑ دو ــــ ہم نہر کی پٹڑی سے ڈیرہ بابا نانک جانے والی سڑک لیں گے اور سردار جگت سنگھ کے گاؤں سے دریا عبور کرنے کی کوشش کریں گے"۔

بہادر سنگھ نے کہا: "اگر آپ اپنے لوگوں کو لاہور کے قریب پہنچا آئے ہیں تو یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔ کیونکہ یہ خبر مشہور ہو چکی ہے کہ گورداسپور ہندوستان میں آ چکا ہے۔ قافلوں کے لئے یہ دن بہت خطرناک تھا اور رات اس سے بھی زیادہ خوف ناک ہوگی۔ ــــــ

ــــ یہ افواہ دینا ناتھ کے گھر سے نکلی تھی کہ تحصیل شکر گڑھ کے سوا باقی سارا گورداسپور کا ضلع بھارت کو دے دیا گیا ہے اور شام تک اکالیوں اور جن سنگھیوں کے جتھے پردیسی درختوں کے پاس جمع ہونے شروع ہو گئے تھے۔ ان کے لیڈر، دینا ناتھ کے گھر پہلے ہی آ چکے تھے۔ اور میں نے اپنے چند آدمیوں کو جن میں سے ایک عبدالکریم کے مزارع ہردیال سنگھ کا بیٹا جگجیت سنگھ بھی تھا وہاں بھیج دیا تھا ــــ دینا ناتھ نے وہاں تقریر کی تھی اور کہا تھا کہ: "مدتوں سے پردیسی درختوں کی صحیح گنتی نہیں ہو سکی تھی اب ہم وہ کام کریں گے جو پہلے کسی سے نہیں ہو سکا۔ ہم ہر

درخت کے نیچے ایک ایک آدمی قتل کریں گے اور لاش وہیں چھوڑ دیں گے۔ پھر تمام لاشیں ایک جگہ جمع کی جائیں گی اور گاؤں کے سات معتبر آدمی باری باری اُن کی گنتی کریں گے۔ یہ بھی اچھی طرح دیکھا جائے گا کہ کوئی درخت ایسا نہ رہے جہاں کوئی لاش موجود نہ ہو۔"

اس پر چمن لال برہمن نے کہا: "ان پردیسی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے ہمیں مردوں کے بجائے کنیاؤں کا بلیدان پیش کرنا چاہیئے ——— بعض لوگ اس بات پر بہت خوش تھے لیکن پڑوس کے گاؤں کے سردار لچھمن سنگھ نے کہا: "باہر سے جو جتھے آئے ہیں وہ قتل اور لوٹ مار کے بعد چند منٹ بھی یہاں نہیں ٹھہریں گے۔ رات کے اندھیرے میں کنیاؤں کو کون تلاش کرے گا اور دینا ناتھ جیسے لوگ تو دن کی روشنی میں بھی مرد اور عورت میں تمیز نہیں کر سکتے۔ اگر باؤنڈری فورس میں سے بلوچ رجمنٹ کا کوئی دستہ ادھر آگیا تو اس گاؤں کے لوگ بھی اپنے اپنے گھر چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔" پھر ایک ہندو نے یہ کہا، ——— "بھئی ہمارا مقصد پردیسی درختوں کو بلیدان پیش کرنا ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ مرد ہوں یا عورتیں۔"

منگل سنگھ نے کہا: "بھائی صاحب! آپ وقت ضائع نہ کریں۔ ——— پردیسی درختوں کے نیچے عورتوں کو قتل کیا جائے یا مردوں کو، لیکن دینا ناتھ، اس کا بیٹا اور اس کے خاص آدمی یہ تماشا دیکھنے کے لئے زندہ نہیں رہیں گے۔ آپ فوراً روانہ ہو جائیں ——— بہادر سنگھ! تم بھی ان کے ساتھ جاؤ۔ بھلّو کو بھی آپ کے ساتھ جانا چاہیئے۔ دریا سے آپ اسے واپس کر دیں۔ تو لیں اسے اپنے پاس رکھ لوں گا اور ایک بھائی کی یادگار سمجھ کر اس کی خدمت کروں گا۔ کیوں بھلّو! تم میرے ساتھ خوش رہ سکو گے نا؟ ——— دیکھو! میں کئی جنم لینے کے بعد

بھی یوسف نہیں بن سکتا، لیکن تمہیں یہ کبھی محسوس نہیں ہونے دوں گا کہ میں تمہیں اپنا بھائی نہیں سمجھتا۔"

یوسف نے کہا: "میرا خیال ہے۔ بھلّو کو یہیں رہنا چاہیئے۔ ہماری کار اس طرف کھڑی ہے۔ ہم نے راتوں رات سردار جگت سنگھ کے گاؤں پہنچنا ہے۔ اس لئے یہ سفر بہت سخت ہوگا۔"

منگل سنگھ نے کہا: "بھائی صاحب! چلو، ہم تمہیں کار کے پاس چھوڑ آئیں۔ اگر آپ ضرورت محسوس کریں تو میں اپنے گاؤں سے چار سوار اور آپ کے ساتھ بھیج سکتا ہوں۔"

"نہیں سردار جی، چار کی ضرورت نہیں ——— میرا گھوڑا دریا تک پہنچانے کے لئے صرف ایک آدمی کی ضرورت ہے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ کار کے پاس کھڑے تھے۔ یوسف نے نسرین کو پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا اور کہا:

"بیٹی! تم نے اپنا سر نیچے رکھنا ہے اور سخت ضرورت کے بغیر تمہیں فائر نہیں کرنا چاہیئے۔ ——— بہادر سنگھ! میرا خیال ہے۔ اس وقت تک تمہارا نشانہ بہتر ہو گیا ہوگا۔ اس لئے تم میرے ساتھ آگے بیٹھ جاؤ۔ میرے پاس بارود اتنا ہے کہ وہ سارا راستہ ختم نہیں ہوگا۔" پھر وہ منگل سنگھ سے بغلگیر ہو کر بولا: ——— "میرے دوست! یہ باتوں کا وقت نہیں ہے ورنہ میں تم سے بہت کچھ کہتا ——— ہاں! ایک ضروری بات جو اس وقت میرے ہونٹوں پر آگئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر کسی بدنصیب کو بچا سکو تو صبح کی اذان سے پہلے دھاریوال میں نہر کے ڈاک بنگلے میں لے آؤ۔ میں وہاں اپنی اور اپنے ساتھ جانے والوں کی حفاظت کا بندوبست کر کے آیا ہوں۔"

پھر وہ منگل سنگھ کو کوئی بات کرنے کا موقع دیئے بغیر کار میں بیٹھ گیا اور کار اسٹارٹ کر دی۔

منگل سنگھ کھڑا اُن کی طرف دیکھتا رہا۔ سوار کار کے دائیں بائیں اور پیچھے جا رہے تھے۔ جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا: "بھگوان! ہم پر کیسا وقت آ گیا ہے"۔

پھر وہ وہاں سے چل پڑا۔

چند منٹ بعد منگل سنگھ، عبدالکریم کی حویلی پر اس کے مزارع ہردیال سنگھ کو آوازیں دے رہا تھا۔ ہردیال سنگھ اور اس کا بیٹا جگجیت سنگھ نکلے اور بوڑھے کسان نے آگے بڑھ کر کہا۔ "سردار منگل سنگھ! آپ؟ بھگوان کتنی جلدی دعائیں سنتا ہے۔ اگر اس وقت میں نے کچھ اور مانگا ہوتا تو وہ بھی مل جاتا۔ آپ نے سُن لیا کہ آج پردیسی درختوں کے نیچے خون کی ندیاں بہائی جائیں گی"؟

"ہاں! میں نے سن لیا ہے۔ کہ لوگوں کو دینا ناتھ نے پردیسی درختوں کی صحیح گنتی کا طریقہ بتایا ہے"۔ ———"سردار جی! آپ اندر آ جائیں۔ یہاں کئی ایسے لوگ حویلی میں بیٹھے ہوئے ہیں جو اس پاپ میں حصہ لینا نہیں چاہتے"۔

منگل سنگھ گھوڑے سے اتر کر حویلی کے اندر داخل ہو گیا اور پچیس آدمی جن میں سے آٹھ مقامی عیسائی بھی تھے اس کے گرد جمع ہو گئے۔

منگل سنگھ نے کہا۔ "ہم ایک بہت بڑے پاپ کو روک تو نہیں سکتے، لیکن میں تم سے ایک وعدہ کر سکتا ہوں کہ: دینا ناتھ اور اس کے لڑکے اور اس کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی یہ تماشا نہیں دیکھ سکے گا۔ تم چند رسے اٹھا لو اور میرے پیچھے چلے آؤ۔ اور دیکھو! بھگت رام دوکان دار کو گھر سے نکالو اور اس کی دکان کھلوا

کر مٹی کے تیل کے جتنے کنستر بھی وہاں موجود ہیں انہیں نکلوا لو ——— ہردیال سنگھ! اگر یہاں مٹی کے تیل کا کوئی ٹین موجود ہے تو وہ بھی اٹھا لو اور باقی آدمی یہاں سے پرالی کا ایک ایک گٹھا اٹھا لیں اور میرے پیچھے پیچھے چلے آئیں۔ میری طرح ڈھاٹے اس طرح باندھ لو کہ کوئی تمہیں پہچان نہ سکے"۔

دینا ناتھ کی حویلی مسلح آدمیوں سے بھری ہوئی تھی اور چھ سات آدمیوں نے مشعلیں اٹھا رکھی تھیں۔ اس سے چند قدم دور دوسری حویلی کے بُلند دروازے سے عورتوں کی چیخ پکار سنائی دے رہی تھی۔ جگجیت نے منگل سنگھ کے قریب جا کر آہستہ سے کہا: "سردار جی! اس جگہ وہ عورتیں ادھر ادھر سے پکڑ کر لا رہے ہیں۔ تین آدمی حویلی کے دروازے پر پہرہ دے رہے ہیں اور چھ سات ہندو اور سکھ اندر موجود ہیں۔ شام کے وقت دینا ناتھ اور اس کا لڑکا اس حویلی کے اندر گئے تھے۔ دینا ناتھ باہر نکل کر لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ: "جب تک میں قیمت کا فیصلہ نہ کروں۔ کسی لڑکی کو خریدنے والوں کے سپرد نہ کرو۔ ان سے جو کچھ وصول ہو گا۔ وہ ہم گاؤں کے لوگوں پر تقسیم کریں گے"۔

منگل سنگھ نے کہا: "جو آدمی دروازے پر کھڑے ہیں۔ انہیں پکڑ کر رسوں سے باندھ دو کسی کو آواز نکالنے کا موقع نہ دو اور دینا ناتھ کی حویلی کے دروازے کے سامنے اور ڈیوڑھی پر پرالی کے ڈھیر لگا دو اور اس کے اوپر مٹی کا تیل چھڑک دو۔ تیل کا ایک عدد کنستر بچا لو۔ شاید ہم اس سے کوئی اور مفید کام لیں۔ کوئی مقابلہ کرے تو تمہیں اپنی برچھیوں اور کلہاڑیوں سے کام لینا چاہیئے"۔

منگل سنگھ اور اس کے ساتھی چند منٹ میں کسی دقت کے بغیر یہ کام سرانجام دے چکے تھے۔ شراب سے بدمست سکھوں کو اس وقت بھی کسی خطرے کا احساس نہ ہوا۔ جب منگل سنگھ کے ساتھیوں نے پرالی کا ایک گٹھا حویلی کے دروازے کے سامنے پھینک کر اس پر تیل چھڑک دیا تھا۔ ایک سرپٹ سوار باہر سے حویلی کے دروازے کے قریب پہنچا۔ منگل سنگھ نے بھاگ کر گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ اور کہا:

"بے وقوف! فوج کا دستہ ابھی یہاں سے گزرا ہے۔ اگر انہوں نے یہ شور سن لیا۔ تو وہ واپس آکر سارا گاؤں بھون ڈالیں گے۔"

سوار بولا: "جی، جتھے دار صاحب نے مجھے بھیجا ہے کہ سیٹھ جی کو بلاؤ تاکہ ہم اپنی کارروائی ختم کرکے واپس جائیں۔ جتھے دار صاحب اس بات پر بہت ناراض ہیں کہ سیٹھ آرام سے گھر میں بیٹھا کیا کر رہا ہے؟"

منگل سنگھ نے کہا: "اس طرف سے دروازے بند ہیں۔ تم حویلی کے پچھواڑے سے چھت پر چڑھ کر دینا ناتھ کو دو چار گالیاں دو تو وہ فوراً باہر نکل آئے گا۔ وہ جتھے دار صاحب سے بہت ڈرتا ہے۔ بھئی! دو آدمی اس کے ساتھ جائیں اور اسے سہارا دے کر پچھواڑے کی دیوار پر چڑھا دیں۔ وہاں سے چھت پر چڑھنا مشکل نہیں ہوگا۔ ورنہ ساری رات کوئی اس کی بات نہیں سنے گا۔"

دینا ناتھ حویلی میں داخل ہونے والے آدمیوں سے باتیں کر رہا تھا: "بھئی، تھوڑی دیر صبر کرو۔ کارروائی شروع کرنے سے پہلے جتھے دار کا آدمی میرے پاس آئے گا اور ہم سب اس کے ساتھ چلیں گے۔ جتھے دار کے ساتھ یہ بات بھی پکی ہو چکی ہے۔ کہ تم جس عورت کو بچانا چاہو گے وہ معمولی قیمت پر تمہیں

مل جائے گی۔"

چھت کے اوپر سے آواز آئی۔ "دینا ناتھ! تم جس قدر بدمعاش ہو اسی قدر بزدل ہو۔ تم نے پہرے داروں کے ہوتے ہوئے دروازے بند کر رکھے ہیں۔ تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ باہر فوج گشت کر رہی ہے۔ اگر تمہارے آدمی میری مدد نہ کرتے تو میں تم سے بات بھی نہ کر سکتا۔"

دینا ناتھ نے فریادی ہو کر کہا: "مہاراج! اوشواش کیجئے، جس فوج کا آپ بتا رہے ہیں وہ پٹیالہ کی تھی۔ بلوچ رجمنٹ کا کوئی دستہ اس علاقے میں نہیں۔"

منگل سنگھ نے بلند آواز میں کہا: "سیٹھ جی! جتھے دار کا دوسرا آدمی آیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تم فوراً پردیسی درختوں کے پاس پہنچ جاؤ، ورنہ ہم جانے سے پہلے تمہارے گھر کو آگ لگا دیں گے۔"

دینا ناتھ چلایا۔ "کہاں ہے وہ آدمی؟"

"تم اندھیرے میں اسے دیکھ نہیں سکو گے، ———— لو میں روشنی کرتا ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی یکے بعد دیگرے تین مشعلیں ڈیوڑھی کے اندر باہر پرالی کے ڈھیروں پر گریں۔ اور آن کی آن میں سارا علاقہ چکا چوند ہو گیا۔ دینا ناتھ اور اس کے ساتھی سکتے کے عالم میں پھیلتی ہوئی آگ کی طرف دیکھ رہے تھے۔

ایک سکھ نے گرج کر کہا: "دینا ناتھ! جب پہرے دار موجود تھے تو تم نے دروازے کیوں بند کئے تھے؟"

دینا ناتھ نے انتہائی عجز و انکسار سے جواب دیا: "جناب! پہرے دار بالکل موجود نہیں تھے۔ سب اندر آ گئے ہوئے تھے۔ پتہ نہیں یہ ہوا کیا ہے؟"

"بے وقوف کے بچے! انہوں نے پرالی پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی ہے۔"

اور کیا ہوا ہے۔ اب تم بائیں طرف کھُرلی کی طرف بھاگو اور وہاں سے دیوار پھلانگ کر دوسری طرف کود جاؤ۔ بچاؤ کی اور کوئی صورت نہیں۔"

بدحواس لوگ ایک دوسرے کو دھکّے دیتے اور چلّاتے ہوئے دیوار پھلانگنے لگے۔

دینا ناتھ دیوار کے ساتھ لٹک کر کہہ رہا تھا "یہ بھی بھگوان کی کرپا ہے۔ کہ ہماری عورتیں دوسرے گھر چلی گئی تھیں ——— بھئی! بھگوان کے لئے میری مدد کرو۔"

دو مضبوط آدمیوں نے دینا ناتھ کو دیوار پر چڑھا کر دوسری طرف دھکیل دیا۔ یہاں کھُرلی کے ساتھ مویشی بندھے ہوئے تھے۔ دینا ناتھ اچانک ایک بھینس کی گردن پر گرا۔ اور وہ رسا تڑوا کر ایک طرف بھاگ نکلی۔

چند منٹ بعد جب دینا ناتھ کی تلاش شروع ہوئی تو وہ حویلی کے عین درمیان پڑا کراہ رہا تھا۔ باہر کی حویلی اطلاع اس نے سنی وہ یہ تھی کہ جو عورتیں دوسری حویلی میں بند تھیں انہیں نامعلوم حملہ آور نکال کرلے گئے ہیں۔

ایک آدمی نے کہا۔ "اس بدمعاش کو اٹھاؤ اور پردیسی درختوں میں لے چلو۔ جتھیدار سخت غصّے کی حالت میں اس کا انتظار کر رہے ہیں۔"

دینا ناتھ اُٹھ کر لنگڑاتا ہوا چل دیا۔ "جناب! میں جتھے دار صاحب سے معافی مانگ لوں گا۔ لیکن یہ ہوا کیسے؟"

اس کا لڑکا جو پاس ہی کھڑا تھا بولا: "پتاجی! یہ کسی کو معلوم نہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عبدالرحیم اور اُس کے گھر کے لوگ واپس آ گئے ہیں۔"

دینا ناتھ نے پوچھا۔ "بیٹا ہمارا گھر بچ گیا ہے نا؟"

"ہاں پتاجی، انہیں اس طرف آگ لگانے کا خیال نہیں آیا۔"

"تم بھاگ کر جاؤ اور وہ تھیلی جو ہم نے جتھے دار صاحب کے لئے رکھی تھی اٹھا کر لے آؤ۔"

یوسف کار چلاتا ہوا سیدھا ڈاک بنگلے کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوا۔ میجر آفتاب اور کیپٹن نعیم وہاں اس کے انتظار میں بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔ وہ تیزی سے چلتے ہوئے کار کے قریب پہنچے۔ اتنی دیر میں سوار بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔ یوسف نے کار سے اُتر کر کیپٹن نعیم کے سوالات کے جواب میں اپنی سرگزشت سُنا دی۔

بہادر سنگھ کار سے اُتر کر ایک طرف کھڑا تھا۔ نعیم اور آفتاب انتہائی اضطراب کی حالت میں یوسف کی زبان سے نسرین کی سرگزشت سُن رہے تھے۔ پھر کیپٹن نعیم نے قدرے توقف کے بعد کہا: "آپ اچھے وقت پر آ گئے ہیں۔ اب اگر ہم فوراً روانہ ہو جائیں تو بہت جلد وہاں پہنچ جائیں گے۔"

یوسف نے جواب دیا۔ "نعیم صاحب! ہمیں چند منٹ سردار منگل سنگھ کا انتظار کرنا ہوگا۔ وہ ایسے لوگوں کو یہاں پہنچانے کے لئے آتے گا۔ جنہیں پاکستان پہنچنے کے لئے ہماری اعانت کی ضرورت ہوگی، مجھے یقین ہے کہ وہ دیر نہیں کرے گا اگر تم چند قدم ٹہلنا پسند کرو تو ممکن ہے کہ میں اسٹیشن کے پلیٹ فارم سے آپ کو پردیسی درختوں کے آس پاس یا دینا ناتھ کے گھر میں سردار منگل سنگھ کی کارگزاری کا نتیجہ دکھا سکوں۔"

نعیم نے کہا: "میں خود بھی کچھ فاصلہ پیدل چلنا چاہتا ہوں۔"

یوسف نے کار کا پچھلا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "نسرین بیٹی! آؤ، تم بھی تھوڑی سی سیر کر لو۔ بہادر سنگھ! تم ہمارے پیچھے پیچھے آؤ۔"

انہیں ڈاک بنگلے سے کوئی دو فرلانگ آگے نکلنے کے بعد جنوب مشرق کے افق پر آگ کے شعلے دکھائی دیئے۔ بہادر سنگھ نے کہا: "جناب! دینا ناتھ کے گاؤں میں سردار منگل سنگھ کی کارگزاری کا نتیجہ نظر آ رہا ہے۔"

وہ تیزی سے چلتے ہوئے ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر پہنچے تو آگ کے شعلے اور زیادہ نمایاں دکھائی دے رہے تھے۔

یوسف نے کہا: "نعیم صاحب! مجھے یقین ہے کہ اب منگل سنگھ کو یہاں پہنچتے پہنچتے زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ لگے گا، یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس سے پہلے پہنچ جائے۔ وہ سیدھے اس طرف آئیں گے۔ آپ واپس جا کر تیاری کریں۔ میں انہیں لے کر آتا ہوں۔"

بہادر سنگھ نے کہا: "نہیں ویر جی، یہ کبھی نہیں ہوگا۔ آپ چھوٹی بی بی کو لے کر ان کے ساتھ ڈاک بنگلے چلے جائیں۔ میں یہاں ڈیوٹی دوں گا۔"

یوسف نے نعیم اور آفتاب کے ساتھ چلتے ہوئے نسرین سے کہا: "نسرین! پیچھے مڑ کر مشرق کی طرف دیکھو پھر میں تمہیں ایک دلچسپ بات سناؤں گا۔"

تھوڑی دیر بعد وہ ڈاک بنگلے کے کشادہ صحن میں کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے تو نسرین نے پوچھا: "بھائی جان! وہ دلچسپ بات کیا ہے؟"

"دن کے وقت وہاں سے کانگڑہ کے پہاڑوں کے دلچسپ مناظر نظر آتے ہیں چاند کی سولھویں، سترہویں یا اٹھارہویں رات کو میں نے بارہا اسی پلیٹ فارم سے چاند نکلنے کا ایک دلچسپ منظر دیکھا ہے۔ پہلے ایک برفانی چوٹی کے عقب سے آسمان کی طرف اٹھتی ہوئی روشنی دکھائی دیتی ہے۔ پھر جب چاند آہستہ آہستہ ابھرتا ہے تو چند لمحات کے لئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قدرت نے پہاڑ کے برفانی سر پر ایک

چمکتا ہوا تاج رکھ دیا ہے۔ اس چمکتے ہوئے تاج کی روشنی سے آس پاس کی چوٹیاں چمک اٹھتی ہیں۔ میں ایک سکتے کے عالم میں یہ منظر دیکھا کرتا تھا۔ ایک دن مجھے خیال آیا تھا کہ اگر میرے بس میں ہو تو پہاڑی کی چوٹی سے یہ تاج اتار کر فہمیدہ شہزادی کے سر پہ رکھ دوں۔"

وہ کوئی چالیس منٹ باتیں کرتے رہے۔ پھر بہادر سنگھ بھاگتا ہوا آیا اور اس نے کہا: "جی، سردار منگل سنگھ چند عورتوں کے ساتھ آ رہا ہے۔"

دس منٹ بعد منگل سنگھ اور اس کے مسلح آدمی گیارہ لڑکیوں اور عورتوں کے ساتھ ان کے سامنے کھڑے تھے جنہیں دینا ناتھ کے گاؤں سے آزاد کروایا گیا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے اپنی چیخیں اور سسکیاں ضبط کر کے اپنی تباہی اور بربادی کی داستانیں سنا رہی تھیں۔ کسی کے والدین، چچا، ماموں اور بھائی قتل ہو چکے تھے اور اسے اپنے جلتے ہوئے گھر سے نکال کر دینا ناتھ کے گاؤں لایا گیا تھا۔ کسی کے خاندان کے مرد کھیتوں میں قتل ہو چکے تھے اور بوڑھی عورتوں کو گھروں میں قتل کر دیا گیا تھا۔ ایک جوان عورت کے گھر پہ حملہ کرنے والوں نے اس کا دودھ پیتا بچہ چھینا اور ہوا میں اچھال کر اس پر تیغ زنی کی مشق کی تھی۔

کیپٹن نعیم نے کہا: "تمہاری باتیں بہت درد ناک ہیں، لیکن ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم تمہیں جلد از جلد پاکستان پہنچا دیں۔ تم فوراً ٹرک پر سوار ہو جاؤ، ہمارے پاس بہت تھوڑا وقت ہے۔ اس وقت ہمارے لئے کوئی دوسرا بندوبست کرنا ممکن نہیں۔"

منگل سنگھ نے کہا: "جی، دو آدمیوں کو میں اپنے گھوڑے دے سکتا ہوں۔ جب آپ دریا عبور کریں گے تو سردار جگت سنگھ انہیں سنبھال لے گا۔"

یوسف کار چلا رہا تھا۔ نسرین اور ایک نوجوان لڑکی اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں۔ پچھلی سیٹ پر میجر آفتاب اور کیپٹن نعیم کے ساتھ بہادر سنگھ کو جگہ دی گئی تھی دو سپاہی سواروں کے ساتھ شامل ہو گئے تھے اور باقی ٹرک پر عورتوں کے ساتھ آ رہے تھے۔ رخصت ہوتے وقت منگل سنگھ نے کہا: "یوسف جی! بڑے میاں صاحب کو بتا دینا کہ جن پردیسی درختوں کے نیچے مسلمانوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں، وہاں ہم سب سے بڑے درخت پر دینا ناتھ اور اس کے بیٹے کو لٹکا آتے ہیں۔ اسے اٹھانا آسان نہ تھا، ہم اسے گھوڑے پر لے گئے تھے اور درخت سے بندھا ہوا رسا اس کے گلے میں ڈال کر گھوڑے کو ہانک دیا تھا، ہم نے دینا ناتھ کا گھر بھی مکمل طور پر جلا دیا ہے اور اس سے پہلے میں نے اپنے ساتھیوں کو وہاں لوٹ مار کی اجازت دے دی تھی لیکن دینا ناتھ کا کونڈا کر دینے کے بعد بھی میرا دل ٹھنڈا نہیں ہوا۔"

یوسف نے کہا: "سردار جی، میں ان مظلوم عورتوں کو یہاں پہنچانے کے لئے آپ کا شکر گزار ہوں۔"

میجر آفتاب بولا: "سردار منگل سنگھ! ہم سب شکر گزار ہیں۔ اگر ہر گاؤں میں تمہارے جیسا ایک آدمی ہوتا تو ہم شاید یہ تباہی نہ دیکھتے۔"

"اچھا خدا حافظ!" یوسف نے یہ کہتے ہوئے کار اسٹارٹ کر دی اور اس کے پیچھے ٹرک اور گھڑ سوار روانہ ہو گئے۔

ڈیرہ بابا نانک کی طرف جانے والی سڑک کے ایک پل پر انہیں سکھوں کے ایک جتھے نے روک لیا، لیکن جب اُن کی گولیوں کا جواب گولیوں سے دیا گیا تو وہ دُبک گئے۔ بہادر سنگھ نے کار سے باہر نکل کر بلند آواز میں کہا: "او سکھو! کون ہے۔ تمہارا جتھے دار، جسے پولیس کے افسر سردار بہادر سنگھ پر بھی گولی چلاتے ہوئے

شرم نہیں آئی؟ تمہیں یہ بھی سمجھ نہیں کہ میرے پیچھے جو فوج کے آدمی آ رہے ہیں وہ تمہیں مشین گن کی گولیوں سے بھون ڈالیں گے۔ فوج کی پوری کمپنی اس طرف آ رہی ہے۔ اور اگر تم نے ایک آدمی کو بھی قتل کر دیا تو وہ تمہارے گاؤں کے گاؤں جلا دیں گے۔"

پھر کسی کو یہ پتہ نہ چلا کہ حملہ آور کدھر سے آئے تھے اور کدھر بھاگ گئے۔

اُن کے سامنے چار مقامات پر مسلح سکھوں کی ٹولیاں آئیں، لیکن وہ بندوقوں کے ہوائی فائر سے ہی بھاگ گئے۔

ایک جگہ لوٹ مار کے سامان سے لدا ہوا ایک گڈا کھڑا تھا یوسف کو سڑک کے کنارے کار کی روشنی میں دو سکھ دکھائی دیئے۔ جو دو لڑکیوں کو بالوں سے پکڑ کر کھیتوں کی طرف بھاگ رہے تھے۔ ایک عورت کو گھسیٹا جا رہا تھا۔ گھسیٹنے والے سکھ کا قد کافی لمبا تھا۔

یوسف نے کہا: "نسرین، اگر تم چاہو تو اپنا پستول چلا سکتی ہو۔"

یوسف ہارن بجاتا ہوا کار کو سڑک سے اتار کر کھیت کے کنارے لے گیا اور اس کے ساتھ ہی نسرین نے فائر کر دیا۔ گولی سکھ کے سر پر لگی اور وہ گر پڑا۔ یوسف نے کار کو ذرا موڑتے ہوئے کہا: "بہادر سنگھ! اب تمہاری باری ہے۔"

بہادر سنگھ نے فائر کیا اور دوسرے سکھ نے منہ کے بل گرتے ہوئے عورت کو بھی گرا دیا۔ بہادر سنگھ نے کار سے اتر کر گرے ہوئے سکھ کو پاؤں سے ٹھوکر ماری اور عورت کو جو پانی اور کیچڑ سے لت پت ہو چکی تھی بازو سے پکڑ کر اٹھا لیا۔ کار کے اگلے پہیے نرم زمین میں دھنس چکے تھے۔ لیکن ٹرک پر سے جوانوں نے اتر کر مدد کی اور کار باہر نکل آئی۔

یوسف نے عورتوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "بیٹیو! اب تمہیں کوئی خطرہ نہیں اگر اس گڈے پر تمہارا سامان ہے تو وہ اتار لو۔ اس کے لئے ٹرک میں جگہ ہے۔ ہم تمہیں پاکستان پہنچا دیں گے۔"

"بھائی صاحب! اگر آپ ہمیں پاکستان پہنچا سکتے ہیں۔ تو ہمیں کوئی سامان اٹھانے کی ضرورت نہیں۔"

کیپٹن نعیم نے کہا۔ "نہیں بی بی! اگر کسی بکس میں تمہارے کپڑے یا زیور ہیں تو وہ اٹھاؤ۔ تمہیں ضرورت پڑے گی۔"

یوسف نے ڈیش بورڈ سے ٹارچ نکال کر بہادر سنگھ کو دی اور کہا۔ "بہادر سنگھ یہ لو اور ان کی مدد کرو۔"

تھوڑی دیر میں دو ٹرنک ٹرک پر لادے جا چکے تھے اور یہ قافلہ روانہ ہو گیا۔

ڈیرہ بابا نانک سے نکلتے ہی ان کے راستے میں ایک جتھا کھڑا تھا یوسف نے ہارن دیا اور کار اور ٹرک سے یک دم فائر ہونے لگے تو سکھ حملہ آور "فوج آگئی — فوج آگئی — بلوچ رجمنٹ آگئی" کہتے ہوئے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔

پھر ڈیرہ بابا نانک سے آگے چند میل تک سڑک پر بکھرے ہوئے لوگ اپنے ساتھیوں کو آوازیں دے رہے تھے — "مسلمانوں کی فوج آگئی ہے — بلوچ رجمنٹ آگئی ہے — سڑک سے دور رہو" — کوئی بارہ میل انہوں نے بڑی تیز رفتار سے طے کئے۔ پھر سڑک کے کنارے ایک جوہڑ دیکھ کر بہادر سنگھ چلایا "یوسف جی! اب ہم نے دائیں طرف مڑنا ہے۔"

دائیں طرف تین میل چلنے کے بعد بہادر سنگھ نے کہا۔ "ویر جی! اب سب کو ہوشیار ہو جانا چاہیئے۔ گنڈا سنگھ بدمعاش کا گاؤں بہت قریب ہے اور بابا جگت سنگھ

بھی یہ کہتے تھے کہ ہمارے علاقے کے جو لوگ پٹیالہ کی فوج میں ملازم ہیں۔ انہوں نے بہت سا اسلحہ وہاں جمع کر رکھا ہے — میجر صاحب! آپ اپنے ساتھیوں سے کہہ دیجئے کہ ہماری پہلی چند گولیاں نشانے پر لگیں تو وہ بھاگ جائیں گے۔"

لیکن گاؤں کے قریب سے گزرتے ہوئے جب انہیں کوئی حادثہ پیش نہ آیا تو بہادر سنگھ نے کہا۔ "گنڈا سنگھ کے آدمی مار دھاڑ کے لئے کہیں اور گئے ہونگے۔"

گاؤں سے نکلتے ہوئے انہیں ایک حویلی میں عورتوں کی چیخیں سنائی دیں۔

بہادر سنگھ نے کہا۔ "میجر صاحب! یہ گنڈا سنگھ کی حویلی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آس پاس سے عورتیں جمع کرنے کے بعد وہ کسی بڑی مار پر گیا ہے۔"

یوسف نے کار بائیں ہاتھ کماد کے ایک کھیت کے قریب کھڑی کر دی اور اتر کر میجر آفتاب اور کیپٹن نعیم سے کہا۔ "شاید آپ اس حملے کی ذمہ داری نہیں لے سکتے۔ اپنے جوانوں سے کہہ دیجئے کہ وہ دشمن کو، اس کار اور ٹرک سے دور رکھیں میں ان مسلح سواروں کو لے جاتا ہوں جو میرے ساتھ آئے ہیں اور بہادر سنگھ میری راہنمائی کرے گا۔"

کیپٹن نعیم نے کہا۔ "اگر مسلح آدمیوں کا کوئی گروہ ہمارے سامنے آگیا تو ہماری ہر گولی نشانے پر لگے گی — اگر آپ کسی نقصان کے بغیر عورتوں کو نکال لائے تو ہمیں اس بات سے خوشی ہوگی۔"

تھوڑی دیر بعد بہادر سنگھ، گنڈا سنگھ کی حویلی کا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ اندر سے ایک آدمی کی آواز آئی۔

"کون ہے؟"

بہادر سنگھ نے جواب دیا "او بے وقوف کے بچے، پولیس آئی ہے اور فوج بھی آئی ہے۔ دروازہ کھولو۔ جلدی کرو، ورنہ فوجی دو منٹ کے بعد دیواریں پھلانگ کر اندر آجائیں گے۔"

اندر سے آواز آئی: "جناب اگر ہم نے دروازہ کھول دیا تو سردار گنڈا سنگھ ہمارے سر اتار دے گا۔"

"لیکن گنڈا سنگھ سے پہلے ہم تمہیں گولیوں سے چھلنی کر دیں گے۔" یہ کہتے ہوئے بہادر سنگھ نے پھاٹک پر ایک گولی چلا دی۔ اندر سے دو آدمیوں نے دہائی دی۔ "گولی نہ چلائیے' مہاراج! ہم دروازہ کھولتے ہیں۔"

بہادر سنگھ نے آواز دی: "میجر صاحب! اب آپ آسکتے ہیں۔"

مسلح آدمی بھاگتے ہوئے وہاں پہنچ گئے اور جب پھاٹک کھلا وہ بے دھڑک اندر داخل ہوگئے۔ ٹارچ کی روشنی میں ایک کمرے میں بارہ عورتوں کو تلاش کیا گیا۔ اور ایک کوٹھری کا تالا توڑا گیا جو اسلحہ سے بھری ہوئی تھی۔ بیس رائفلوں اور بندوقوں اور بارود کے ایک صندوق کے علاوہ اس کوٹھری سے پانچ ٹامی گنیں برآمد ہوئیں۔

میجر آفتاب نے کہا: "یوسف صاحب! جب آپ تقریریں کیا کرتے تھے۔ تو ہمیں یقین نہیں آتا تھا کہ ہمارے دشمن اس قدر اسلحہ جمع کر چکے ہیں ——— بہادر سنگھ! وہ گاؤں کتنی دور ہے۔ جہاں ہم نے جانا ہے؟"

"جی، وہ ڈیڑھ میل سے زیادہ نہیں' یہاں سے چند قدم آگے سرکنڈوں کا جنگل شروع ہوجاتا ہے۔ جو دریا تک جاتا ہے۔"

میجر آفتاب نے ایک جوان سے کہا: "بھئی جتنا اسلحہ ہے وہ اٹھوا کر ٹرک میں رکھوا دو۔ آدمی دریا تک پیدل چلیں گے۔ اور جو میرے جوانوں کے پاس

رائفلیں ہیں انہیں ٹرک میں رکھ دو اور یہ ٹامی گنیں اٹھالو۔ دریا پر پہنچ کر ہم رخصت ہونے والوں کو تحفہ دیں گے۔ ان بیبیوں کو بھی ٹرک میں جگہ دو۔ یوسف صاحب کی کار پر بھی نسرین کے ساتھ صرف عورتیں بیٹھیں گی اور ہم پیدل چلیں گے۔"

بہادر سنگھ نے کہا: "میجر صاحب! گنڈا سنگھ کے آدمی ضرور حملہ کریں گے۔ آپ ہوشیار رہیں۔ گھوڑوں کی ٹاپ سُن کر آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ آرہا ہے۔"

ایک سپاہی ایک صندوق کھول کر چلایا: "کپتان صاحب! اس میں دستی بم بھی ہیں۔"

نعیم نے کہا: "یہ سب سے پہلے اٹھالو۔ اور جو آدمی چلانا جانتے ہیں۔ ان میں تقسیم کردو اور فوراً ٹرک پر جاکر ہیڈ کوارٹر کو سگنل دے دو کہ قافلے کو بچانے کے لئے ہم یہاں پہنچ گئے ہیں اور آس پاس کے دیہات کے لوگوں کو سکھ بلوائیوں کے قتل عام سے بچانے کے لئے ہمیں کچھ دیر یہاں رکنا پڑے گا۔ اس اہم مہم کو ختم کرتے ہی ہم ڈیوٹی پر پہنچ جائیں گے۔ ہم نے بلوائیوں سے بھی بیس عورتوں کو چھڑا لیا ہے۔"

میجر آفتاب نے کہا: "کیپٹن صاحب! انہیں یہ بھی بتا دوں کہ ہم نے بہت سا اسلحہ اکٹھا کیا ہے؟"

نعیم نے کہا۔ "بھئی ابھی اس کی ضرورت نہیں' مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ وہ گاؤں جہاں ہم جا رہے ہیں۔ ایک اچھا خاصا مورچہ بن جائے گا۔ ابھی یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس مہم میں ہمیں کتنی دیر لگے گی۔"

بہادر سنگھ نے ایک آدمی سے گھوڑی لی اور اس پر سوار ہو کر بولا۔ "جی میں بابا جگت سنگھ کے گاؤں اطلاع دیتا ہوں تاکہ وہ کشتی تیار رکھیں۔ آپ کے پہنچنے تک وہ دوسرے کنارے سے ماچھیوں کی کشتی بھی منگوا لے گا۔"

صبح کے دھندلکے میں یہ قافلہ جگت سنگھ کے گاؤں پہنچا تو اُس کی حویلی میں گاؤں کی عورتیں پراٹھے پکانے اور دودھ گرم کرنے میں مصروف تھیں۔

جگت سنگھ نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔ "بھائیو! وقت نہیں، ورنہ میں آپ کے لئے ایک مسلمان باورچی سے اچھے اچھے کھانے تیار کرواتا۔ اب یہ گرم گرم پراٹھے کھاتے جاؤ اور دُودھ ہمارے پاس بہت ہے۔ آپ کے لئے ایک کشتی موجود ہے۔ دوسری پار سے پہنچ جائے گی۔ میرے بیٹے سورن سنگھ نے سارا انتظام کر دیا ہے ہم پر کسی وقت بھی حملہ ہو سکتا ہے۔ یہ بھگوان کی کرپا ہے کہ آپ کو اسلحہ مل گیا ہے۔"

یوسف نے پراٹھے کے چند نوالے کھانے کے بعد ادھر ادھر دیکھا تو بہادر سنگھ غائب تھا۔

جگت سنگھ نے کہا۔ "کاکاجی! بہادر سنگھ اوپر گیا ہے۔ تم بھی چوبارے سے ہو آؤ۔ اور اپنی بہن کو مبارک باد دو —— ہم سب کی خواہش یہ تھی کہ تم اپنے ننھے بھانجے کے سر پہ ہاتھ رکھتے اور اس کے لئے دعا کرتے۔"

یوسف کوئی بات کیے بغیر اوپر پہنچا۔ بہادر سنگھ کو آواز دی۔ بہادر سنگھ نے باہر نکل کر کہا۔ "بھائی صاحب! اندر آجاؤ۔ آپ کی بہن اور بھانجا آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

یوسف نے اندر جا کر بیس دن کے بچے کو اجیت کور کی گود سے اٹھا لیا اور اپنی جیب سے چند نوٹ نکال کر بچے کی مٹھی میں دینے کی کوشش کی اور جب وہ خوف زدہ ہو کر رو پڑا تو اس نے وہ نوٹ اجیت کی گود میں ڈال دیئے اور بولا: "اجیت بہن! وقت اتنا تنگ ہے کہ میں تمہارے بیٹے کو اچھی طرح دیکھ بھی نہیں سکوں گا، لیکن اسے یہ نہ بھولنے دینا کہ اس کا ماموں دریا پار چلا گیا ہے۔ کیا نام رکھا ہے بہادر سنگھ نے اس کا؟"

"جی! اس کا نام موہن سنگھ ہے۔"

اجیت نے بہادر سنگھ سے مخاطب ہو کر کہا: "مائی پارو کو بچے کے پاس بھیج دو میں ویرجی کو دریا پہ رخصت کروں گی۔"

یوسف نے کہا۔ "بالکل نہیں! تم دریا تک نہیں جاؤ گی۔"

اجیت نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا۔ "ویرجی! مَیں تھوڑی دُور تو جا سکتی ہوں۔"

بہادر سنگھ نے کہا۔ "تھوڑی دور جانے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر کوئی خطرہ پیش آیا تو میں تمہیں ایک قدم بھی آگے نہیں جانے دوں گا۔"

وہ نیچے اُترے اور جگت سنگھ کے گاؤں کے چند سکھ حویلی میں جمع ہو رہے تھے اور وہ نعیم سے کہہ رہا تھا۔ "کپتان صاحب! مجھے اس ظلم سے بہت دُکھ ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مسلمان خوش قسمت ہیں کہ وہ ہندو کے چنگل سے نکل جائیں گے، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ ہندوؤں کا ہاتھ سکھوں کی شہ رگ پر پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی۔ آپ لوگ اپنی آزادی کے لئے قربانیاں دے رہے ہیں لیکن ہمیں ہندوؤں کے غلاموں کی حیثیت سے زندہ رہنے کے لئے بھی اس سے زیادہ قربانیاں دینا پڑیں گی۔ ہم لڑیں گے تو کسی فتح کی امید پر نہیں لڑیں گے۔ بلکہ یہ سمجھ کر لڑیں گے کہ ہمارے لئے لڑتے ہوئے مرجانے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔ ایک مسلمان لڑکے نے چند سال قبل یہ کہا تھا کہ سکھوں کو اس وقت ہوش آئے گا۔ جب وقت گزر چکا ہوگا۔ اور وہ لڑکا یوسف ہے جو اِن بے بس عورتوں کو

بچا کر یہاں لایا ہے ___ کاکا یوسف جی! آپ مجھے بہت یاد آیا کریں گے۔"

سورن سنگھ نے کہا۔ "باپو جی! اب باتوں کا وقت نہیں۔ گنڈا سنگھ کسی وقت بھی حملہ کر سکتا ہے۔ جو کشتی کھڑی ہے اس پر ہمیں ان بیبیوں کو سوار کر دینا چاہیئے۔"

یوسف نے کہا۔ "چلو بہنو! جلدی کرو۔ سردار سورن سنگھ! تم آگے آگے چلو۔ ہم پیچھے رہیں گے۔"

جب وہ حویلی سے نکل رہے تھے تو اجیت، نسرین کا بازو تھامے کھڑی تھی اس کے ایک ہاتھ میں پستول تھا۔

یوسف نے مڑ کر دیکھا اور کہا۔ "نسرین! تم بھی اُن کے ساتھ جاؤ۔"

نسرین بولی: "نہیں بھائی جان، میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔"

یوسف، اجیت سے مخاطب ہوا۔ "اجیت! تمہیں آرام کرنا چاہیئے تھا۔"

اجیت کور بولی: "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ویر جی، جب تک آپ دوسرے کنارے نہیں پہنچ جاتے میں آپ کو دیکھتی رہوں گی۔ اور پھر میں ہر روز دریا کے پار دیکھا کروں گی کہ کسی دن ادھر سے کوئی کشتی آئے اور اس میں ویر جی ہوں۔ آج آپ میرے سر پہ ہاتھ رکھنا بھی بھول گئے ہیں!"

یوسف نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا اور نسرین کا بازو پکڑتے ہوئے کہا: "چڑیل! تم میرے ساتھ رہو۔"

وہ دریا سے کوئی تین سو قدم دور تھے کہ سرکنڈوں میں گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی۔ مسلح آدمیوں نے اپنی پوزیشنیں سنبھال لیں اور عورتیں تیزی کے ساتھ دریا کی طرف بھاگنے لگیں۔ بابا جگت سنگھ اور گاؤں کے کچھ اور سکھ عورتوں کے پیچھے تھے۔ نسرین تذبذب کی حالت میں کھڑی تھی۔

یوسف چلایا: "نسرین! تم کیا دیکھ رہی ہو۔ خدا کے لئے، بھاگ کر کشتی کی طرف جاؤ۔"

نسرین بھاگی۔ وہ کشتی سے کوئی پچاس قدم دور تھی کہ دائیں طرف سرکنڈوں سے دو سوار نمودار ہوئے۔

سورن سنگھ چلایا۔ "بی بی! اس سے بچو، یہ گنڈا سنگھ ہے۔"

پھر وہ بلند آواز میں بولا۔ "گنڈا سنگھ! رک جاؤ، ورنہ مارے جاؤ گے۔"

نسرین اب تیزی سے بھاگ رہی تھی لیکن اگلا سوار بہت قریب آ چکا تھا۔

نسرین نے اچانک منہ کے بل لیٹ کر نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی سرکنڈوں کی طرف سے ایک اور گولی کی آواز آئی اور دوسرا سکھ بھی گھوڑے سے گر پڑا۔ پھر اجیت کور کی آواز سنائی دی۔

"شہزادی بہن! کشتی پر سوار ہو جاؤ۔"

نسرین بھاگی۔ اور جب وہ کشتی پر سوار ہو رہی تھی تو سرکنڈوں سے ایک گولی آئی اور اس کی ٹانگ پر لگی۔ یوسف نے بھاگ کر اسے کشتی میں بٹھا دیا اور کشتی چل پڑی۔ اس کے ساتھ ہی جس طرف سے گولیاں آ رہی تھیں۔ وہاں سٹین گنوں اور رائفلوں سے جوابی فائرنگ ہونے لگی۔

ایک حملہ آور سکھ نے بلند آواز میں کہا: "یہاں سے نکلو، یہ گنڈا سنگھ بدمعاش ہمیں فوج کے سامنے لے آیا ہے۔"

پھر جس طرف سرکنڈے کے پودے ہل رہے تھے وہاں دستی بم گر رہے تھے۔

بابا جگت سنگھ کہہ رہا تھا۔ "کاکا جی! اُس طرف سے کشتی آ رہی ہے۔ اب اگر گنڈا سنگھ مارا جا چکا ہے تو وہ کئی دن تک ادھر کا رُخ نہیں کریں گے۔"

میجر آفتاب نے کہا "سردار جی! آپ اپنے آدمیوں کو آس پاس کے دیہات میں دوڑا دیں۔ ہم دریا پار کرنے والی کشتیوں کی حفاظت کریں گے۔"

اجیت کور آگے بڑھ کر بولی "ویر جی، آپ یہ کشتی پہنچتے ہی اس میں سوار ہو جائیں۔ شہزادی بہن زخمی ہے۔"

نعیم نے کہا "یوسف صاحب! دریا کے پار تھوڑی دور باؤنڈری فورس کا کیمپ ہے۔ ہم وہاں سگنل بھیج دیتے ہیں۔ آپ سے پہلے کوئی ڈاکٹر اس بچی کی مدد کے لئے پہنچ جائے گا۔ یہ سٹین گنیں اور بارود آپ رکھ لیں آپ کے کام آئے گا۔"

یوسف نے کہا "کیپٹن صاحب! وہ ہماری کار دریا کے پار نہیں جا سکتی۔ اس لئے آپ دونوں اسے ہمارا تحفہ سمجھ کر قبول کریں۔"

"شکریہ" میجر آفتاب نے کہا، "لیکن ہم اسے موقع ملتے ہی لاہور پہنچا دیں گے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کے مویشی بھی وہاں پہنچا دیئے جائیں۔ آپ ان عورتوں کو پار کے کیمپ کمانڈر کے سپرد کر دیں اور اس بچی کو جلد از جلد ہسپتال پہنچانے کی کوشش کریں۔"

یوسف نے کشتی پر سوار ہوتے ہی ایک آدمی کی پگڑی لی اور اسے نسرین کی رگوں پر کس کر باندھ دیا، جہاں سے خون بہہ رہا تھا۔

نسرین کہہ رہی تھی۔ "بھائی جان! شاید مجھے بھی کوئی گولی لگ گئی تھی، لیکن میں زندہ ہوں اور زندہ رہوں گی۔ آپ کو اور آپا کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ میرا مطلب ہے جب تک آپ مجھے خوشی سے اجازت نہیں دیتے۔"

یوسف نے اس کا سر گود میں رکھتے ہوئے کہا: "دیکھو بیٹی! آرام سے لیٹی رہو اور یہ بات دہراتی رہو کہ "میں زندہ ہوں!" دریا کے پار تمہیں فرسٹ ایڈ دینے کے

لئے ڈاکٹر اور لاہور پہنچانے کے لئے ٹرک موجود ہو گا۔"

جب دریا کے دوسرے کنارے پہنچ کر سواریاں اتر گئیں تو یوسف نے نسرین کو اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور کنارے پر لے آیا۔ چند قدم کے فاصلے پر شیشم کے ایک درخت کے نیچے چند دیہاتی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ آوازیں دینے لگے۔ "باؤجی! آپ سائے میں آ جائیں۔"

یوسف آگے بڑھا، دیہاتیوں نے ایک کھاٹ خالی کر دی اور یوسف نے نسرین کو اس کھاٹ پر لٹا دیا۔

ایک آدمی نے کہا "کرم علی! بھاگ کر جاؤ اور ہمارے گھر سے ایک بستر لے آؤ۔"

یہ گاؤں کا نمبردار تھا اور چند منٹ میں اس کے حکم کی تعمیل ہو چکی تھی۔

ایک آدمی نے پانی کا ایک گھڑا لا کر وہاں رکھ دیا۔ اس دوران یوسف کے ساتھی وہاں جمع ہو چکے تھے۔ چند منٹ بعد ایک فوجی ٹرک نمودار ہوا، جس پر ایک فوجی ڈاکٹر اور دو جوان سوار تھے۔ ڈاکٹر نے نسرین کا سرسری معائنہ کرنے کے بعد یوسف سے مخاطب ہو کر کہا۔ "آپ نے یہ اچھا کیا کہ زخم پر کس کر پٹی باندھ دی اور خون بند کر دیا۔ لیکن کوئی گولی یا کوئی موٹا چھرا جو ران کے اندر رہ گیا ہے اسے نکالنے کے لئے ہمیں فوراً ہسپتال پہنچنا چاہیئے۔ آپ انہیں ٹرک پر لٹا دیں۔ ہم سیدھے میو ہسپتال جائیں گے۔ اور میرا ایک جوان آپ کے ساتھیوں کو ریلوے اسٹیشن تک لے جائے گا اور وہاں سے ان کو گاڑی پر لاہور کے کیمپ میں پہنچا دیا جائے گا۔"

نمبردار نے ٹرک کے اندر ایک روئی کا گدا بچھوا دیا۔ یوسف، نسرین کے ساتھ بیٹھ گیا اور ڈرائیور نے ٹرک چلا دیا۔ اچانک یوسف نے آواز دی۔ "ڈاکٹر صاحب! یہ بچی بے ہوش ہو گئی ہے۔"

ڈاکٹر نے اپنی سیٹ سے مُڑ کر دیکھتے ہوئے کہا: "بھائی! آپ کو یہ اندازہ نہیں کہ اس کا کتنا خون ضائع ہو چکا ہے۔ ویسے آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔"

———

اگلے دن میو ہسپتال کے ایک اپریشن روم سے باہر یوسف، فہمیدہ، منظور امینہ اور بلقیس برآمدے میں کھڑے تھے۔ اپریشن روم کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر جمیل باہر نکل کر فہمیدہ سے مخاطب ہوا:

"فہمیدہ! آپ بہت جلد اپنی شہزادی بہن سے باتیں کر سکیں گی۔ چند منٹ تک انہیں پرائیویٹ وارڈ میں بھیج دیا جائے گا۔ اس لئے آپ سب سے کہیں کہ وہ راستے سے ایک طرف ہٹ جائیں۔"

بلقیس نے آگے بڑھ کر کہا، "بھئی، میں تو تمہارا یہ حکم کبھی نہیں مانوں گی۔"

ڈاکٹر جمیل نے کہا، "آپ کو کون روک سکتا ہے۔ ڈاکٹر کمال الدین آرہے ہیں اور انہیں کامیاب آپریشن پر مبارک باد دینے کے لئے آپ کو یہیں رہنا چاہیئے۔"

بلقیس بولی، "اللہ میری بیٹی کو جلدی صحت دے۔ میں صبح و شام اس کا شکریہ ادا کیا کروں گی۔"

ڈاکٹر جمیل بولا، "آپ شہزادی بیٹی کے اسٹریچر کے ساتھ ہی اُن کے کمرے میں جا سکیں گی۔ لیکن باقی سب کو ایک یا ڈیڑھ گھنٹہ بعد باری باری اُسے دیکھنے کی اجازت ملے گی اور ڈاکٹر کمال الدین یہ پسند نہیں کریں گے کہ کوئی شہزادی کے ساتھ لمبی چوڑی گفتگو شروع کر دے۔ ہماری ایک پریشانی ابھی دور نہیں ہوئی اور وہ یہ ہے کہ ان کی ٹانگ کی ہڈی پر کتنی ضرب آئی ہے اور انہیں کتنے دن آرام کرنا چاہیئے۔ اس بات کا امکان بھی ہے کہ اگر ہڈی ٹوٹ گئی ہے تو پلستر کرنا پڑے۔ اس معاملے پر وثوق سے کچھ کہنے کے لئے ہمیں کچھ دیر اور انتظار کرنا پڑے گا۔"

چند منٹ بعد نسرین کو اسٹریچر پر پرائیویٹ وارڈ میں پہنچایا جا رہا تھا۔ اور یہ سب ڈاکٹر کمال الدین کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اس کے پیچھے جا رہے تھے۔

بلقیس، ڈاکٹر کمال الدین سے کہہ رہی تھی، "ڈاکٹر صاحب! یہ اللہ کا کرم ہے کہ آپ اچانک یہاں پہنچ گئے تھے ورنہ میں بہت پریشان تھی۔ مجھے نسرین کے زخمی ہونے کی اطلاع سنتے ہی یہ خیال آیا تھا کہ کاش! آپ یہاں ہوتے۔"

ڈاکٹر کمال الدین نے کہا، "جی، میں اتفاقاً یہاں نہیں پہنچا تھا۔ دریائے راوی کے پار فوج کے جن افسروں نے ان کے لئے ڈاکٹر اور ٹرک مہیا کیا تھا، وہ ان کے لاہور پہنچنے سے پہلے مجھے اطلاع بھجوا چکے تھے اور میں اسی وقت وہاں سے چل پڑا تھا۔"

"میں اسے بھی اللہ کا کرم سمجھتی ہوں۔ اگر حالات نے اجازت دی تو کچھ دن بعد باری باری ان کے گھروں میں جا کر ان کا شکریہ ادا کروں گی ——— اچھا ڈاکٹر صاحب! یہ بتائیے کہ اگر پلستر کرنا ضروری ہوگیا تو انہیں کتنی دیر تک بستر پر رہنا پڑے گا؟"

"جی، ہماری کوشش تو یہی ہوگی کہ ان کے بستر پر لیٹا رہنے سے، گھر میں جو اداسی محسوس کی جائے گی وہ کم از کم عرصے کے لئے ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسے کاموں میں علاج کے ساتھ دعاؤں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب! مجھے یقین ہے کہ ہوش سنبھالنے سے لے کر اب تک جتنی دعائیں نسرین نے لی ہیں۔ شاید ہی کسی اور کو ملی ہوں اور مجھے یہ بھی

معلوم ہے کہ آپ بھی اس کے لئے بہت دعائیں کیا کرتے تھے۔ وہ مریض کتنا خوش قسمت ہوتا ہے جس کے لئے ڈاکٹر دوا بھی دیتا ہو اور دعا بھی کرتا ہو۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ میں آپ کی شہزادی بیٹی کے لئے واقعی بہت دعائیں کیا کرتا ہوں۔"

نسرین کے آنسو اور سسکیاں

نسرین نے میو ہسپتال کے پرائیویٹ کمرے میں کراہتے ہوئے آنکھیں کھولیں۔ امینہ نے سہارا دے کر اس کا سر اوپر کیا اور فہمیدہ نے پانی کا گلاس اس کے منہ کو لگا دیا۔ دو تین گھونٹ پینے کے بعد وہ بدحواسی سے کمرے کی دیواروں اور چھت کی طرف دیکھتے ہوئے بولی:

"آپا! ہم کہاں ہیں؟ مجھے یقین نہیں آتا کہ میں زندہ ہوں۔"

فہمیدہ نے بڑی مشکل سے آنسو ضبط کرتے ہوئے کہا:

"میری شہزادی بہن! تم زندہ ہو اور تمہیں زندہ ہی رہنا چاہیئے، تمہیں پیار کرنے والے یہ محسوس کرتے ہیں کہ تمہارے بغیر یہ دنیا بالکل سنسان ہو جائے گی۔"

نسرین نے امینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، "امینہ آپا! تم مجھے بتاؤ کہ ہم سچ مچ زندہ ہیں اور میں ایک خواب نہیں دیکھ رہی۔"

امینہ نے اُس کا سر تکیئے پر رکھ دیا اور دوپٹے سے اپنے آنسو پونچھتے اور سسکیاں لیتے ہوئے کہا، "شہزادی بہن! تم ہم سے بہت دُور جا رہی تھیں۔ میں سوچا کرتی تھی کہ جب تمہیں ہوش آئے گا تو میں تم سے یہ گلہ کیا کروں گی کہ تم نے ہم سب کو بہت رلایا ہے۔ اپنے والدین کو، میرے

والدین کو، بھائی یوسف اور اس کے ابا جی کو بھی۔"

نسرین نے چند ثانیے سوچنے کے بعد کہا، "یوسف بھائی جان نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ اس خوفناک رات جیپ میں انہیں آوازیں دے رہی تھی تو وہ مجھے اپنے اجڑے ہوئے گاؤں کی مسجد کے قریب مل گئے تھے — اور پھر میں ان کے ساتھ موٹر پر بیٹھ کر چل پڑی تھی —— ایک اور آدمی بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گیا تھا —— پھر —— ریلوے اسٹیشن سے آگے —— دو فوجی افسر —— چند اور آدمیوں کے ساتھ ہمارے ہمراہ ہو گئے تھے —— بھائی جان نے —— مجھے پلیٹ فارم سے، پہاڑوں سے نکلتا ہوا —— چاند دکھایا تھا —— اس سے پہلے —— شام کے قریب —— جب میں نے پہلی بار —— یہ پہاڑ دیکھے تھے —— تو —— ان کا رنگ —— سنہری تھا —— مجھے وہاں سے ایک طرف —— بہت بڑا الاؤ —— دکھائی دیتا تھا —— بھائی جان نے —— بتایا تھا کہ —— یہ —— ہمارے ایک دشمن کا —— گھر ہے —— موٹر پر —— سفر کرتے ہوئے —— ایک فوجی ٹرک —— اور چند سوار بھی —— ہمارے ساتھ آ رہے تھے —— راستے میں —— لڑائی بھی ہوئی تھی —— ہم نے —— کسی بہت بڑے ڈاکو کے —— گاؤں سے —— مسلمان عورتوں کو —— چھڑایا تھا —— اس کے گھر سے —— ہمیں —— بہت سا اسلحہ —— بھی مل گیا تھا —— دریا کے قریب —— ہم نے —— اس نیک بابا جی کو بھی دیکھا تھا —— جو —— بھائی جان کا دوست بن چکا تھا —— آپا جان! —— وہی —— جس نے —— ہمیں اشرفیاں دی تھیں —— دریا کے کنارے —— زخمی ہونے کے بعد —— میں نے بھائی جان کے ساتھ دریا عبور کیا تھا —— اس کے بعد

مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ —— بھائی جان نے مجھے ایک ٹرک میں لٹا دیا تھا۔ —— ہاں!! —— کسی نے ایک اور پٹی بھی باندھ دی تھی —— جب مجھے ہوش آیا تھا —— تو میں نے —— آپ سب کو دیکھا تھا —— سب سے باتیں کی تھیں —— اب مجھے معلوم نہیں کہ کتنے دن کے بعد —— بستر سے اٹھ کر چلنے پھرنے کے قابل ہو گئی تھی —— بھائی جان کہیں چلے جایا کرتے تھے —— لیکن آپا جان —— امی —— اور —— ابو اور کئی دوسرے میرے پاس رہا کرتے تھے ——"

فہمیدہ نے کہا: "نسرین! تمہیں یہ یاد نہیں کہ ڈاکٹر کمال الدین بھی چار دن ہمارے پاس رہا تھا اور اس کے بعد ہر دوسرے تیسرے دن یہاں آ جایا کرتا تھا۔"

"مجھے یاد ہے، آپا جان، اور میں ان کی شکر گزار ہوں۔"

"کس بات پر شکر گزار ہو؟"

"آپا جی! آپ نے ہی تو کہا تھا کہ انہوں نے آپریشن کر کے میری گولی نکالی تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں نے یہ سب باتیں خواب میں سنی ہیں —— اور مجھے کوئی بات یاد نہیں آتی کہ —— اس کے بعد کیا ہوا تھا۔"

"اس کے بعد جب تم بالکل تندرست نظر آتی تھیں تو تمہیں بخار ہو گیا تھا اور اگلے روز یہ بخار اس قدر تیز ہو چکا تھا کہ ہم تمہیں بے ہوشی کی حالت میں دوبارہ ہسپتال میں لے آئے تھے۔ تمہارے چچا اور یوسف صاحب ساری ساری رات تمہارے پاس رہا کرتے تھے۔ تمہارے ڈیرہ دون والے چچا بشیر اور ان کے بال بچے ہر روز یہاں آیا کرتے تھے۔ چچا عبدالعزیز کو تو لاہور آنے کی فرصت نہیں ملتی تھی۔ لیکن چچی بلقیس، امی جان اور ابا جان کوئی

دو گھنٹے قبل یہاں سے ہو کر گئے ہیں۔ امینہ اور منظور صاحب کو تو تمہاری تیمارداری کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں تھا۔"

نسرین، امینہ کی طرف دیکھ کر بولی، "آپا امینہ! میں آپ کی بہت شکر گزار ہوں۔ مجھے ہمیشہ اس بات کا یقین رہا ہے کہ آپ مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں۔ آپا جان! کیا چچا جمیل کے ساتھ ڈاکٹر کمال الدین نہیں آیا کرتے تھے؟"

فہمیدہ بولی، "ڈاکٹر کمال الدین پرسوں رات یہاں آئے تھے۔ اور اس کے بعد انہیں تمہارے علاج کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔ تمہارے چچا کی طرح ان کے دوست ڈاکٹر بھی تمہیں دیکھ گئے تھے۔ اور آج آدھی رات کے قریب انہوں نے ہمیں یہ خوش خبری سنائی تھی کہ شہزادی کا بخار ٹوٹ چکا ہے۔ اور بہت جلد یہ ہوش میں آجائے گی اور انہیں بہت بھوک محسوس ہوگی، جب تک میں انہیں دوبارہ آکر نہ دیکھ لوں دودھ کے سوا کوئی اور غذا نہ دی جائے۔"

"آپا جان! جب مجھے بخار ہوا تھا تو وہ کہیں چلے گئے تھے؟"

"ہاں! وہ بہت بڑا صدمہ اٹھا چکے ہیں۔ ان کے والدین اپنی دو بیٹیوں اور ان کے بچوں کے ساتھ یہاں آرہے تھے، یہ تمہیں دوبارہ یہاں لائے جانے سے دو دن پہلے کی بات ہے ــــ وہ، یوسف صاحب، امینہ اور چچی بلقیس کے ساتھ ان کا خیر مقدم کرنے اسٹیشن پر گئے تھے، لیکن سیکنڈ کلاس کے ایک ڈبے میں ان کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ ان کے کفن دفن سے فارغ ہو کر وہ اپنے ایک دوست کے گھر چلے گئے تھے۔ چچی بلقیس اور امینہ نے بہت کوشش کی تھی کہ وہ ان کے پاس رہیں، لیکن وہ یہ کہہ کر چلے گئے تھے کہ جب میری طبیعت سنبھل جائے گی تو میں خود ہی آپ کے پاس آجاؤں گا۔ بڑا حوصلہ ہے ان میں۔ تمہاری بیماری کے دوران ہم ان کا پتا نہ کر سکے۔ چند دن بعد چچا جمیل کو معلوم ہوا کہ وہ علیل ہیں تو سب اُن کی تیمار داری کے لئے گئے۔ جب ابا جی ان سے اظہارِ ہمدردی کر رہے تھے تو انہوں نے یہ کہا تھا کہ:

ــــ "جی، میں اس سے بہت زیادہ المناک حادثات دیکھ چکا ہوں ایک دن میں چند اور ڈاکٹروں کے ساتھ ہندوستان سے آنے والی گاڑیوں میں زخمیوں کی دیکھ بھال کے لئے اسٹیشن پر پہنچا تو ایک پوری بوگی لاشوں اور زخمیوں سے بھری ہوئی تھی اور ایک تین سال کا بچہ، جسے ایک زخموں سے کراہتی ہوئی عورت نے سینے سے لگا رکھا تھا، بلک رہا تھا۔ وہ عورت کراہتے ہوئے یہ کہہ رہی تھی: میرے ساتھ اس بچے کی ماں مردہ پڑی ہوئی ہے۔ اس نے گاڑی پر حملہ ہونے سے پہلے مجھے یہ بتایا تھا کہ:

"اُس کے گاؤں پر حملہ ہوا تھا تو وہ رات کی تاریکی میں بچے کو اٹھا کر کھیت میں چھپ گئی تھی۔ جب بلوائی لوٹ مار اور قتل و غارت کے بعد چلے گئے تو اس نے واپس جا کر اپنے گھر کا منظر دیکھا اور چیختی ہوئی ریلوے اسٹیشن کی طرف بھاگ نکلی، جو اس کے گاؤں سے کوئی دو میل دور تھا۔ اسٹیشن پر گاڑی کھڑی تھی اور وہ دوسروں کی دیکھا دیکھی کچھ سوچے سمجھے بغیر اس میں سوار ہوگئی۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا تھا، "یہ گاڑی پاکستان جا رہی ہے نا؟" میں نے جواب دیا تھا، "ہاں"۔

اس نے پھر پوچھا، "لاہور کی طرف بھی جائے گی؟"

میں نے جواب دیا، "ہاں! لاہور کی طرف بھی جائے گی؟"

اس نے کہا تھا، "بچے کا دادا آنکھوں کے علاج کے لئے لاہور آیا ہوا ہے
میں شاید لاہور پہنچنے سے پہلے مر جاؤں۔ اگر تمہیں وہاں اللہ کا کوئی نیک بندہ
ملے تو اسے کہہ دینا کہ اس بچے کو اس کے دادا کے پاس پہنچا دے۔ وہ
اس ہسپتال میں ہوگا، جہاں غریب لوگوں کی آنکھوں کا علاج مفت ہوتا
ہے۔"

میں نے اس سے پوچھا تھا، "تمہیں معلوم ہے کہ اس کی ماں کون سے
اسٹیشن سے سوار ہوئی تھی؟"

"یہ میں نہیں جانتی۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ کچھ دیر بعد یہ گاڑی ایک
اسٹیشن پر رکی تھی تو لوگ کہتے تھے کہ "رہتک" آگیا ہے۔"

میں نے اس خاتون کی مرہم پٹی کرنے کے بعد اسے زخمیوں کے کیمپ
میں پہنچا دیا اور اس بچے کو اپنے کمپاؤنڈر کے سپرد کرنے کے بعد کہا کہ اسے
میرے کوارٹر میں لے جاؤ، میں اس کے دادا کا پتا کرنے کی کوشش کرتا ہوں
اور میرے اردلی کو یہ بھی کہہ دینا کہ اس چھوٹے سے مہمان کی ہمیں بہت
تواضع کرنی چاہیئے۔ کوئی آٹھ گھنٹے کوشش کرنے کے بعد میں نے "رہتک"
کے آس پاس رہنے والے اس بوڑھے آدمی کا پتا کر لیا اور میں نے اُسے
بے یار و مددگار دیکھ کر اپنے گھر رکھ لیا۔ مجھ پر بہت بڑا حادثہ گذرا ہے لیکن
میں شکر کرتا ہوں کہ میں اپنے پروردگار کے سوا کسی کا محتاج نہیں ہوں۔"

امینہ نے نسرین کے منہ میں انگور ڈالنے کی کوشش کی، لیکن اس نے
منہ بھینچ لیا اور اس کا ہاتھ پیچھے ہٹا دیا۔ چند ثانیے بعد اس کی آنکھوں
سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ فہمیدہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

"شہزادی بہن! کمال الدین بھائی زندگی میں بڑے سے بڑا صدمہ برداشت
کر سکتا ہے، لیکن تمہیں آنسو بہاتے دیکھنا شاید اس کے لئے ناقابلِ
برداشت ہو۔ ہم سب یہ محسوس کرتے ہیں کہ اب اسے اپنی زندگی کی
تاریک رات میں صرف ایک ہی تو ستارہ دکھائی دیتا ہے۔ جب وہ
تمہیں ہوش میں دیکھیں گے تو تم یہ محسوس کرو گی کہ ان کی آنکھوں میں یکایک
روشنی آگئی ہے۔ اب تمہیں ان کے سامنے صبر اور حوصلے سے کام لینا
چاہیئے۔"

"آپا جان! جب اس کا گھر اجڑ چکا ہے تو میرا صبر اور حوصلہ اسے کیا
فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ میں یہ ثابت نہیں کر سکتی کہ میں پتھر کی بنی ہوئی ہوں۔"

"شہزادی بہن! تمہیں یہ ثابت بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ تم اسے یہ تو کہہ
سکتی ہو کہ آپ اس دنیا میں تنہا نہیں ہیں۔"

"آپا جان! میرے لئے سب کے سامنے یہ کہنا زیادہ آسان ہوگا کہ میں
اپنی تمام حماقتوں کے لئے ان سے معافی مانگتی ہوں۔"

امینہ بولی "شہزادی بہن! ایسا نہ کرنا۔ یہی حماقتیں تو ماضی کا وہ سرمایہ ہیں
جن کے ذکر سے کبھی ان کے چہرے پر مسکراہٹ آجایا کرتی ہے۔۔۔
مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بھائی کمال الدین جو دوسروں کے لئے زندگی
کی خوشیاں تلاش کرتے ہیں تمہیں اپنے غم میں شریک نہیں کریں گے۔"

نسرین نے کچھ دیر سوچنے کے بعد سوال کیا، "آپا جی! آپ کو معلوم
ہے کہ وہ لوگ کس جگہ دفن ہیں؟"

فہمیدہ بولی "میں، تمہارے بھائی جان، امینہ اور منظور صاحب، ڈاکٹر
کمال الدین کے ساتھ فاتحہ کے لئے قبرستان جایا کرتے ہیں۔ ایک دفعہ اباجی

امینہ اور منظور صاحب کے والدین اور چند رشتہ دار بھی ہمارے ساتھ گئے
تھے۔ لیکن تم آرام سے لیٹی رہو۔"

"آپا جی! میں چلنے پھرنے کے قابل ہوتے ہی سب سے پہلے
وہاں جاؤں گی ـــــ مجھے اپنے آپ پر بہت غصہ آتا ہے کہ میں نے
آپریشن کے بعد اُن کا شکریہ تک ادا نہیں کیا۔"

"تمہاری جگہ میں کئی بار اُن کا شکریہ ادا کر چکی ہوں۔ اور وہ اتنا ضرور
سمجھ گئے ہیں کہ تمہیں ان کے ساتھ گفتگو کرنے میں جھجک محسوس ہوتی ہے۔"

"اب میں جھجک محسوس نہ کروں تو آپ میرا مذاق تو نہیں اڑائیں گی؟"

"میں اپنی شہزادی بہن کا مذاق کیسے اڑا سکتی ہوں۔"

امینہ بولی، "ٹیلی فون پر ڈاکٹر کمال الدین کی زیادہ باتیں مجھ سے ہوا کرتی ہیں
جب تم تندرست ہو جاؤ گی تو میں تمہیں یہ بتا سکوں گی کہ وہ تمہارے متعلق
کیا سوچ سکتے ہیں۔"

ایک نرس کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے امینہ سے مخاطب ہو
کر کہا، "جی! آپ کا فون آیا ہے۔"

امینہ اٹھ کر باہر نکل گئی۔ اور چند منٹ بعد اس نے واپس آکر کہا،
"چچا جان کا فون تھا میں نے انہیں بتا دیا ہے کہ شہزادی بہن کا بخار اتر گیا
ہے۔ ڈاکٹر کمال الدین سے بھی میری بات ہوئی ہے۔ ان کا پہلا سوال یہ
تھا کہ ٹمپریچر کیا ہے؟ ـــــ وہ آ رہے ہیں اور کہتے تھے کہ اب
انہیں دودھ کے سوا کوئی اور غذا مجھ سے پوچھے بغیر نہ دی جائے۔"

چند منٹ بعد ایک نرس اور امینہ گرم پانی میں بھیگے ہوئے تولیے

سے نسرین کا چہرہ، ہاتھ پاؤں اور گردن صاف کر رہی تھیں تو فہمیدہ نے کہا
"امینہ! تم نے میری بہن کے جسم سے مہک محسوس نہیں کی۔"

امینہ نے اثبات میں سر ہلا دیا اور نرس بولی:

"بی بی جی! آپ تو اس کی بہن ہیں۔ میں بھی یہ کہنے والی تھی کہ یہ بی بی خاص
مٹی سے بنی ہوئی ہے۔"

امینہ بولی، "آپا فہمیدہ! آپ کو یاد ہے۔ چچی ملقیس کہتی تھیں کہ جن بچوں
میں ایمان کا نور ہوتا ہے۔ ان کے جسم سے مہک آتی ہے۔"

نسرین مسکرائی، "آپا! میری خوش قسمتی یہ ہے کہ آپ سب مجھ سے پیار
کرتے ہیں اور میرے لئے دعائیں بھی کرتے ہیں۔"

فہمیدہ نے کہا، "نسرین! ڈاکٹر کمال الدین یہ تاکید کر گئے تھے کہ ہوش میں
آنے کے بعد انہیں زیادہ سے زیادہ دودھ پینے پر آمادہ کیا جائے۔ تم
ٹھنڈا دودھ پیو گی یا گرم؟"

"آپا جی! ابھی تو میں نے پیا تھا۔"

"شہزادی صاحبہ! ہم یہ چاہتی ہیں کہ آپ اطمینان سے باتیں کرتی رہیں اور
آپ کو تھکاوٹ نہ ہو۔"

امینہ بولی، "شہزادی بہن! تمہارے بارے میں انکل جمیل اور کمال الدین صاحب
کی ہدایات یہی ہیں کہ جہاں تک ہو سکے آپ تھوڑا تھوڑا دودھ پیتی جائیں۔
اب وہ جو دوائی آپ کو دیں گے، اس سے آپ کو بھوک زیادہ لگے گی۔"

"آپا! جو آپ نے دودھ پلایا تھا، وہ اچھا نہیں لگا۔ شاید ٹھنڈا میرے
لئے زیادہ بہتر ہو۔"

فضل دین نے دودھ کا ایک گلاس لا کر پیش کر دیا اور نسرین آہستہ آہستہ

دودھ پینے لگی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا:

"آپا جی! اگر یہ صرف ایک ڈاکٹر کا مشورہ ہوتا تو میں شاید صرف آدھا گلاس پیتی، لیکن دو ڈاکٹروں کی خاطر میں پورا گلاس ختم کروں گی۔"

فہمیدہ نے کہا، "ننھی شہزادی! اگر دونوں ڈاکٹروں کو خوش کرنا چاہتی ہو تو تھوڑی دیر بعد دوسرا گلاس بھی پی لینا۔"

نسرین نے گلاس ختم کر کے آنکھیں بند کر لیں اور کہا، "آپا امینہ! یہ ٹیک ذرا نیچے کر دو۔" اور وہ چند منٹ خاموشی سے پڑی رہی۔ پھر اس نے آنکھیں کھولتے ہوئے کہا، "آپا! آج میں بہت رونا چاہتی ہوں۔ اور زور زور سے رونا چاہتی ہوں۔ مجھے بہت سی باتیں یاد آ رہی ہیں۔ اور میں سوچ رہی ہوں کہ مجھے رونا کیوں بھول گیا تھا۔ جب مجھے بھائی جان کے اجڑے ہوئے گاؤں کا منظر یاد آتا ہے اور یہ بھی خیال آتا ہے کہ اگر بھائی یوسف میرے ساتھ واپس نہ پہنچ سکتے تو آپ کیا کرتیں۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ سے لپٹ کر رونے لگ جاؤں اور روتے روتے بے ہوش ہو جاؤں۔ مجھے اس بات پر بھی غصہ آتا ہے کہ بھائی یوسف لاہور کے راستے سے واپس کیوں لوٹ آئے تھے اور اگر میں بھی آپا خالدہ کے ساتھ مر گئی ہوتی تو بھائی جان پر کیا گزرتی۔ پھر میرا دل اس بات پر بھی لرز اٹھتا ہے کہ اگر بھائی جان زندہ اور سلامت واپس نہ پہنچ جاتے تو آپ سب پر کیا گزرتی۔ ان کے ابا جان، ان کی بہن، ان کے بھائی پر کیا گزرتی اور جب میں سوچتی ہوں کہ آپا فہمیدہ پر کیا گزرتی تو میرا دل پھٹنے لگتا ہے۔ دریائے بیاس عبور کرنے کے بعد میں نے جو قیامت دیکھی تھی، وہ ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے رہتی ہے۔ یہ بات مجھے خواب محسوس ہوتی ہے کہ مجھے ایک اور گاؤں پہنچ کر ہوش آیا تھا کہ یہ بھائی جان کا گاؤں نہیں ہے اور

میں نے اچانک گھوڑے کی باگ موڑ لی تھی۔ اب میں یہ سوچتی ہوں کہ اگر مجھے وہاں بھائی جان نہ ملتے تو کیا ہوتا؟ اس وقت میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ میرے دل کی حرکت بند ہو گئی ہے۔ جب ہم گاؤں سے نکلے تھے تو میں راوی عبور کرنے تک اپنے دل میں بار بار یہ کہہ رہی تھی کہ کاش! وہ مجھے اس قدر اہم نہ سمجھتے۔ اور کوئی انہیں یہ کہہ کر گاؤں کی طرف واپس مڑنے سے روک لیتا کہ لاہور میں آپا فہمیدہ، چچی بلقیس، چچا جان اور باقی سب تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے تم واپس کیوں جا رہے ہو۔ اور یہ بات اب میرے لئے کتنی صبر آزما ہے کہ ڈاکٹر کمال الدین صاحب کو اس سے بھی بڑا المیہ پیش آ چکا ہے۔ اگر میں صبح شام روتی رہوں تو بھی میرے آنسو ختم نہیں ہوں گے۔"

نسرین یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئی اور پھر دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ کر سسکیاں لینے لگی۔ اس کی سسکیاں کبھی کبھی ایسی چیخوں میں تبدیل ہو جاتی تھیں، جنہیں ضبط کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ فہمیدہ نے اس کے سرہانے کی طرف بیٹھ کر اس کا سر اپنی گود میں لے لیا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی:

"نسرین! ہم میں سے جو اس طوفان سے بچ گئے ہیں، انہیں ایک دوسرے کے لئے زندہ رہنا چاہیئے۔ کیونکہ جو اپنی بہت سی پونجی لٹا بیٹھنے کے بعد صبر کرتے ہیں ان پر قدرت کے انعامات کی بارش ختم نہیں ہوتی۔ دیکھو نسرین! تمہارے بھائی، ابا، امی، چچا، چچی اور سب ان لوگوں کو جو تمہاری آواز سن کر یا تمہیں مسکراتے اور ہنستے دیکھ کر باغ باغ ہو جاتے ہیں ان کے لئے زندہ رہنا چاہیئے۔ کئی اجڑے ہوئے گھروں میں ننھے ننھے بچوں کو تمہارے پیار کی ضرورت ہو گی۔ دیکھو نسرین! میں اس وقت

نہیں، جب تم بہت چھوٹی تھیں تو بھی میں یہ محسوس کرتی تھی کہ تم میرے لئے ہی نہیں بلکہ ہم سب کے لئے اللہ کا بہت بڑا انعام ہو۔ تم نے ہمارے لئے زندگی کو ایک نہ ختم ہونے والا دل کش قہقہہ بنا دیا تھا۔ ذرا بڑی ہو کر تم چھپ جایا کرتی تھیں اور میں تمہیں گھر میں اوپر نیچے تلاش کرتی تھی اور جب تم نہیں ملتی تھیں تو میں رونے لگ جاتی تھی۔ کبھی کبھی غصے میں آکر میں تمہیں پیٹ لیا کرتی تھی اور پھر بہت پیار کیا کرتی تھی۔ دیکھو نسرین اب ہم دونوں بڑی ہوگئی ہیں اور دوسروں کو زندہ رہنے کا حوصلہ دے سکتی ہیں دوبارہ بیمار ہونے سے پہلے جب تمہیں ہوش تھا تو تم اکثر خاموش رہا کرتی تھیں اور میں یہ کہا کرتی تھی کہ میری بہن کو اللہ نے بہت بڑا حوصلہ دیا ہے۔ مَیں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم کسی دِن اس طرح پھوٹ پڑو گی۔"

"آپا جان! میں ایسا محسوس کرتی ہوں کہ مجھے بولنا، مسکرانا یا ہنسنا بالکل بھول گیا تھا۔ جیسے میں گہرے پانی میں ڈوبتی چلی جا رہی تھی۔ میں خواب کی سی حالت میں سنتی یا بولتی تھی۔ شاید مجھے یہ خوف آتا تھا کہ اگر میں نے چیخنا یا رونا شروع کر دیا تو پھر عمر بھر کے لئے روتی یا چیختی رہوں گی۔ آپا! کیا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی کسی بہت بڑے حادثے میں اس قدر خوف کھا جائے کہ اسے اپنے وجود سے بھی خوف آنے لگے۔"

فہمیدہ نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا، "میری شہزادی بہن! ہم پہ ایک قیامت گذر چکی ہے۔ اگر شروع میں ہی تمہیں کھل کر رونے کا موقع مِل جاتا تو آج تمہاری یہ حالت نہ ہوتی۔"

"آپا! آپ یونہی بیٹھی رہیں ——— آج میں آپ کی گود میں سر رکھ کر بہت دیر سونا چاہتی ہوں۔ آپا امینہ! آپ بھی میرے پاس بیٹھی رہیں۔"

چند منٹ بعد نسرین گہری نیند سو رہی تھی۔

نسرین دیر تک سوئی رہی۔ پھر اسے کمرے میں بلقیس کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "ڈاکٹر صاحب! آپ بہت دیر سے آئے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل اور یوسف کہاں ہیں؟"

"جی! وہ والٹن کیمپ سے میرے ساتھ ہی آ گئے تھے۔ وہ بہت تھکے ہوئے تھے۔ اور صبح کی نماز پڑھتے ہی اپنے اپنے بستر پر لیٹ گئے تھے۔ مجھے نیند نہیں آتی تھی۔ اس لئے میں نے سوچا کہ سونے سے پہلے آپ کی شہزادی بیٹی کو دیکھ آؤں۔ آپ نے ساری رات یہاں گذاری ہے؟"

"جی نہیں! یہاں ساری رات فہمیدہ اور امینہ نے نسرین کی تیمار داری کی ہے۔ منظور صاحب کافی رات ڈاکٹروں اور نرسوں کو ادھر ادھر پہنچانے میں مصروف رہے تھے اور ابھی کوئی آدھ گھنٹہ قبل وہ امینہ اور فہمیدہ کو گھر پہنچا کر مجھے یہاں چھوڑ گئے ہیں۔ فہمیدہ کے امی اور ابو گہری نیند سو رہے تھے۔ اس لئے میں نے انہیں جگانے سے منع کر دیا تھا۔"

"شہزادی صاحبہ کا کیا حال ہے؟ ڈیوٹی پر جو نرس تھی، اس نے مجھے آتے ہی بتایا تھا کہ نسرین نے دیر تک فہمیدہ اور امینہ سے باتیں کی ہیں اور مجھے اس بات کا افسوس ہو رہا ہے کہ میں اس کی باتیں نہیں سُن سکی۔"

کمال الدین نے بستر کی دوسری طرف کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا، "میرا خیال ہے کہ میں جگائے بغیر ان کی نبض کی رفتار دیکھ سکتا ہوں۔"

وہ کچھ دیر آہستہ سے نسرین کی نبض پہ ہاتھ رکھ کر اپنی گھڑی کی طرف

دیکھتا رہا۔ پھر اس نے بلقیس سے مخاطب ہو کر کہا، "چچی جان! رات کے وقت میں ان کو بہت دودھ پلانے کے لئے تاکید کر کے گیا تھا، لیکن مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بھوک ہے۔"

بلقیس بولی، "بیٹا! فہمیدہ کہتی تھی کہ دودھ انہیں کافی پلایا ہے۔ ان کے لئے یخنی بھی تیار ہے۔ میں صرف آپ کی آمد کا انتظار کر رہی تھی تاکہ پوچھ لیا جائے۔"

"چچی جان! جب یہ باتیں کر رہی تھی تو یخنی انہیں فوراً پلا دی جاتی تو بڑا اچھا ہوتا۔ میرا خیال ہے کہ انہیں میری توقع سے پہلے ہوش آگیا تھا۔"

"اگر یخنی پلانا بہت ضروری ہے تو بیٹی کو جگایا جا سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ انہیں شاید کمزوری کی وجہ سے غنودگی سی محسوس ہو رہی ہے ورنہ جب یہ باتیں کرتی تھی تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ بالکل تندرست ہو گئی ہے۔"

کمال الدین نے آہستہ سے کہا، "ننھی شہزادی! ——— ننھی شہزادی!!"

نسرین نے کروٹ بدل کر دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لئے اور بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کرنے لگی۔

کمال الدین نے بلقیس کی طرف دیکھ کر پوچھا "چچی جان! انہیں کیا ہوا؟ ان کی لڑائی تو نہیں ہوئی کسی کے ساتھ؟"

بلقیس بولی، "بیٹا! اس کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے فہمیدہ اور امینہ کی بے احتیاطی سے انہیں آپ کے والدین اور بہنوں کو پیش آنے والے حادثے کا علم ہو گیا تھا۔ ورنہ وہ دونوں یہ کہتی تھیں کہ جب اس کو ہوش آیا تھا تو یہ بالکل تندرست معلوم ہوتی تھی۔ جب تک آپ کو پیش آنے والے حادثے کا ذکر نہیں ہوا تھا تو بڑے آرام سے باتیں کر رہی تھی۔ کبھی جب وہ یوسف کے گاؤں پہنچنے اور وہاں سے واپس آنے کے دلخراش واقعات کا ذکر کرتی تھی تو اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے۔ لیکن یہ جلد ہی سنبھل جاتی تھی۔ لیکن آپ کو جو صدمہ پہنچا ہے، اس کا ذکر سننے کے بعد اس کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تھی۔"

کمال الدین نے نسرین کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا "دیکھئے شہزادی صاحبہ! جب آپریشن کے بعد آپ کو ہوش آرہا تھا تو آپ بار بار یہ الفاظ دہرا رہی تھیں: "میں زندہ رہنا چاہتی ہوں" اور یوسف یہ کہتا تھا کہ میں نے نسرین کو زخمی حالت میں ٹرک پر ڈالنے کے بعد کہا تھا کہ تم یہ الفاظ دہراتی رہو اور مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ لاہور پہنچنے سے پہلے خواب کی سی حالت میں بار بار یہ الفاظ دہرا رہی تھی ——— شہزادی نسرین! تم بہت بہادر ہو۔ اگر تم نے ہمت ہار دی تو تمہیں پیار کرنے والوں کے حوصلے بھی ٹوٹ جائیں گے۔"

نسرین چہرے سے ہاتھ اٹھا کر ڈاکٹر کمال الدین کی طرف دیکھنے لگی۔ اپنی آنکھوں کے سامنے آنسوؤں کے پردوں کے باوجود اسے کمال الدین اس آدمی سے مختلف نظر آرہا تھا۔ جسے اس نے بارہا بے پرواہی سے دیکھا تھا۔

"چچی جان!" اس نے قدرے توقف کے بعد کہا، "میں آپ کے سامنے اس بات کا اعتراف کرتی ہوں کہ میں ڈاکٹر صاحب سے بہت نادم ہوں۔ اور میں اپنی تمام کوتاہیوں پر ان سے معافی مانگتی ہوں۔"

کمال الدین نے جلدی سے اپنا رومال نکال کر نسرین کے آنسو پونچھنے کے بعد کہا، "نہیں! نہیں!! شہزادی صاحبہ، چچی صاحبہ، بھائی یوسف، آپا فہمیدہ اور بہن امینہ سب اس بات کی گواہی دیں گے کہ میں تمہاری ہر بات پر خوش

ہوا کرتا تھا اور میں چاہتا تھا کہ تم اسی طرح کی باتیں کرتی رہو۔ اب مستقبل کی زندگی
میں میرے لئے وہ دن بہت تابناک ہوگا، جب تم میرا مذاق اڑاؤگی مجھ پر ہنسوگی
اور مجھے چونچ کہوگی۔ تمہارے قہقہے سن کر میں یہ محسوس کروں گا کہ میری اجڑی ہوئی دنیا
کی زندگی اور دلکشی پھر لوٹ آئی ہے۔ شہزادی صاحبہ! میں نے زندگی میں
بہت بڑا صدمہ برداشت کیا ہے اور شاید اور صدمے بھی برداشت کرسکوں
لیکن تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھنے سے مجھے تکلیف محسوس ہوتی ہے۔
اب تم جس قدر جلدی تندرست ہوگی، اسی قدر جلدی تم سے بے شمار پیار
کرنے والوں کی زندگی واپس لوٹ آئے گی۔ خدا کے لئے یہی کہتی رہا کرو
کہ میں زندہ رہنا چاہتی ہوں۔ میں ان سب کے لئے زندہ رہنا چاہتی ہوں
جو مجھ سے پیار کرتے ہیں۔"

نسرین نے اچانک ایک سکون سا محسوس کرتے ہوئے اپنی آنکھیں
بند کرلیں۔ کمال الدین نے کہا، "اب میں ایک ڈاکٹر کا فرض پورا کرنا چاہتا
ہوں۔" اور یہ کہہ کر اس نے تھرمامیٹر نکال کر اس کے منہ میں ٹھونس دیا۔
اس کے بعد اٹھ کر بلڈ پریشر دیکھنے میں مصروف ہوگیا۔

فضل دین ٹرے میں یخنی کا پیالہ لے آیا۔ بلقیس ٹرے سے پیالہ اٹھا
کر نسرین کے ساتھ بیٹھ گئی اور چمچ سے اس کو پلانے لگی۔ نسرین نے
قدرے بے توجہی کے ساتھ بہت آہستہ آہستہ چند گھونٹ حلق سے
اتارے تو ڈاکٹر کمال نے کہا، "دیکھئے محترمہ! مجھے یقین ہے کہ آپ کو بھوک
محسوس ہورہی ہے، لیکن میری وجہ سے آپ جھجک محسوس کررہی ہیں۔
اس لئے میں تھوڑی دیر کے لئے چلا جاتا ہوں۔ چچی جان! آپ اس کے
بعد انہیں ایک اور پیالہ پلا دیں۔"

نسرین بولی، "نہیں، ڈاکٹر صاحب! آپ نہ جائیں۔ اگر آپ حکم دیں تو
میں یہ پیالہ منہ کو لگا کر فوراً ختم کرسکتی ہوں۔"

فضل دین نے کرسی آگے کردی اور کمال الدین مسکراتا ہوا اس پر بیٹھ
گیا اور بولا، "شہزادی صاحبہ! میں اس وقت آپ کو یہ حکم نہیں دے سکتا۔
لیکن جب آپ بالکل ٹھیک ہوجائیں گی اور میں آپ کو ایک صحت مند بچی کی
طرح کھاتا پیتا دیکھوں گا تو مجھے خوشی ہوا کرے گی۔"

نسرین نے بلقیس کے ہاتھ سے چمچ پکڑتے ہوئے کہا، "چچی جان!
اب آپ تکلیف نہ کریں۔ یہ کام میں خود کرسکتی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ
میرے لئے یہ چند گھونٹ پیالے کو منہ لگا کر پی لینا زیادہ آسان ہوگا۔"
پھر چند سیکنڈ کے اندر اندر وہ پیالہ ختم کرچکی تھی۔

"شکریہ، شہزادی صاحبہ! اگر تھوڑی دیر تک آپ ایک اور پیالہ بھی پی
لیں تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔"

نسرین بولی، "آپ آرام سے بیٹھے رہیں۔ میں آپ کو ناراض نہیں
کروں گی۔"

ڈاکٹر کمال الدین نے کہا، "جب آپ سو جائیں گی تو میں دبے پاؤں اٹھ
کر چلا جاؤں گا اور میرا خیال ہے کہ آپ کو جلد ہی نیند آجائے گی۔ کھانے
میں آپ کو دو تین دن کافی پرہیز کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ چونکہ آپ
کے چچا جان ایک ہفتہ تک یہیں ہیں۔ اس لئے مجھے آپ کی دیکھ بھال
کے بارے میں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔"

"چچا جان کہیں جا رہے ہیں؟"

"میرا خیال تھا کہ آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ ان کی تبدیلی ایبٹ آباد ہو

گئی ہے ۔ مجھے آج راولپنڈی کی طرف روانہ ہونا تھا لیکن آپ کی تیمارداری
کے لئے مجھے تین دن کی مہلت مل گئی تھی ۔ اب انشاء اللہ ! میں پرسوں یہاں
سے روانہ ہو جاؤں گا ۔ میں ہر دوسرے یا تیسرے دن چچی جان کو ٹیلی فون
کر کے آپ کے متعلق پوچھ لیا کروں گا ۔"

نسرین چند ثانیے اس کی طرف دیکھتی رہی اور پھر اس کی آنکھوں سے
آنسو ٹپکنے لگے ۔

"ڈاکٹر صاحب !" اس نے بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے
کہا، "ڈاکٹر صاحب ! جو آپ پر گذری ہے ۔ وہ میں سن چکی ہوں ۔ کاش ! میں
آپ سے کچھ کہنے کے لئے موزوں الفاظ سوچ سکتی ۔"

کمال الدین نے جواب دیا ، "اس معاملے میں ہم بے بس ہیں ۔ یوسف صاحب
کہا کرتے ہیں ، ہمیں دنیا کے آلام و مصائب میں صرف صبر اور شکر سے
زندہ رہنے کا حوصلہ مل سکتا ہے ۔"

نسرین بولی ، "بھائی جان یوسف کی دنیا جتنی وسیع ہے ، اسی قدر ان
کے غم زیادہ ہیں ــــــ ڈاکٹر صاحب ! میں بستر سے اٹھتے ہی ان کی قبروں
پر جاؤں گی ۔"

کمال الدین نے کہا ، "آپ بہت کمزور ہو گئی ہیں ۔ اس لئے آپ کو
چند دن آرام کرنا چاہیئے ۔"

پھر وہ بلقیس سے مخاطب ہوا ، "چچی جان ! حیدر آباد سے میرے کئی
رشتہ داروں کے خط ملے ہیں ۔ وہ اظہارِ ہمدردی کے لئے یہاں آنا چاہتے
ہیں ۔ لیکن میں نے انہیں سختی سے منع کر دیا ہے اور جواب میں یہ لکھ دیا

ہے کہ اِن دنوں سفر کرنا خطرے سے خالی نہیں ۔ میں حالات ذرا بہتر ہوتے
ہی ہوائی جہاز پر حیدر آباد پہنچنے کی کوشش کروں گا ۔"

بلقیس نے کہا ، "بیٹا ! اگر کوئی یہاں آ گیا تو اسے یہاں قیام میں پریشانی
نہیں ہو گی ۔ ہم ہمیشہ کسی مہمان کے منتظر رہتے ہیں ۔"

"مجھے یہ معلوم ہے چچی جان ! لیکن فی الحال ، انہیں مطمئن کرنے کے
لئے میں باقاعدگی سے خط لکھتا رہوں گا ۔ وہ در اصل میرے ساتھ ہمدردی
کے بہانے یہاں آکر یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ میں کن حالات سے گذر رہا ہوں
اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں انہیں یہ لکھنا چاہتا ہوں کہ اگر مجھے کہیں
جانا پڑے یا میرے خط میں تاخیر ہو جائے تو آپ چچا جان عبدالعزیز کو خط
لکھ کر میری خیریت پوچھ سکتے ہیں ۔ چچی جان ! یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں
کہ ایسے خطوط کا جواب لکھنے کی تکلیف آپ کو اٹھانا پڑے گی ۔"

"بیٹا ، تم اطمینان رکھو ۔ کہ میرے جواب سے اِن کا اطمینان ہو جائیگا ۔"

ڈاکٹر کمال نے تھوڑے توقف کے بعد نسرین کی طرف متوجہ ہو کر کہا :

"شہزادی صاحبہ ! میں آپ کو اپنے زندہ ہونے کی اطلاع دیتا رہوں گا ۔"

"ڈاکٹر صاحب ! میں آپ کے خطوط کا انتظار کیا
کروں گی ۔"

یوسف کمرے میں داخل ہوا ۔ وہ چہرے سے بہت تھکا ہوا معلوم
ہوتا تھا ۔

بلقیس نے پوچھا ، "بیٹا ! صبح تک تمہارے متعلق کوئی اطلاع نہیں آئی
تھی اور میں سمجھ رہی تھی تم ساری رات کی بھاگ دوڑ کے بعد سو گئے ہو

گئے۔ جمیل تمہارے ساتھ نہیں آیا؟"

"چچی جان! وہ بستر پر پڑے تھے۔ مجھے بھی تھکاوٹ محسوس ہو رہی تھی لیکن نسرین کو دیکھے بغیر مجھے نیند نہیں آ سکتی تھی۔"

کمال الدین نے کہا، "بھائی جان! آپ کی شہزادی بہن سو گئی ہے۔ آپ اب میرے ساتھ چلیں ــــ چچی جان! ہمیں اجازت ہے؟ ــــ میں گھر پہنچتے ہی نسرین کی دیکھ بھال کے لئے دوسرے تیمارداروں کو بھیج دوں گا۔ تاکہ آپ کو آرام کا موقع مل جائے۔ مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ چند دن تک اس بات کا فیصلہ ہو جائے گا کہ مجھے مستقل طور پر مظفر آباد ہی رہنا پڑے گا یا راولپنڈی تبدیل کر دیا جائے گا۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ مجھے جمیل صاحب کی طرح ایبٹ آباد بھیج دیا جائے۔"

بلقیس بولی، "بیٹا! مجھے یہ بتاؤ کہ میں تمہارے لئے کیا دعا کروں۔ میرا مطلب ہے، تم کس جگہ جانا پسند کرتے ہو؟"

"چچی جان! مجھے جمیل صاحب کے ساتھ ایبٹ آباد میں رہ کر زیادہ خوشی ہوگی۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ جمیل صاحب کے اصرار پر بھائی یوسف نے اپنی نئی کتاب ایبٹ آباد میں مکمل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اگر مجھے وہاں نہ بھیجا گیا تو میرے لئے ہر جگہ ایک جیسی ہے۔ میں راولپنڈی یا مظفر آباد رہ کر یہ اطمینان محسوس کیا کروں گا کہ یوسف اور جمیل مجھ سے قریب ہیں اور جب چاہوں اُن سے مل سکتا ہوں۔ آپ دعا کریں کہ آپ کی شہزادی بیٹی جلد ٹھیک ہو جائے۔ ورنہ ان کے متعلق پورے اطمینان کے بغیر مجھے مزید چھٹی لینی پڑے گی۔"

"بیٹا، میں ہر وقت اس کے لئے دُعا کیا کرتی ہوں۔ اور مجھے ایسا محسوس

ہوتا ہے، سب اس کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ گذشتہ چند دنوں سے تمہاری دعائیں زیادہ قبول ہو رہی ہیں۔"

"چچی جان! یہ دعائیں ہی تو ہیں جن سے میرے دل میں زندہ رہنے کا عزم پیدا ہوا ہے۔"

پندرہ دن بعد نسرین اپنی چچی بلقیس کے گھر منتقل ہو گئی تھی ــــ شام کے وقت چائے پیتے ہوئے فہمیدہ بولی: "ایبٹ آباد شمال کی طرف ہے نا؟"

یوسف نے جواب دیا: "ہاں، تقریباً شمال ہی کی طرف ہے۔"

فہمیدہ، بلقیس کی طرف متوجہ ہوئی: "چچی جان! میں نے بار بار ایک خواب دیکھا ہے اور اس وقت سے دیکھ رہی ہوں جبکہ میں نے یوسف صاحب کا گاؤں بھی نہیں دیکھا تھا۔ اور وہ خواب عام طور پر یہ ہوتا تھا کہ میں شمال کے پہاڑوں کی طرف جا رہی ہوں۔ وہاں مجھے ایک خوب صورت دو منزلہ مکان دکھائی دیتا ہے۔ جس میں پھل دار پودے لگے ہوئے ہیں۔ اور مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ میرا گھر ہے۔ میں اس باغ سے پھل توڑ توڑ کر لوگوں میں تقسیم کرتی ہوں۔ بہت خوشبودار اور میٹھے پھل۔"

صفیہ نے کہا: "بھئی، میری بیٹی کا کوئی خواب غلط نہیں ہوتا۔ مجھے یقین ہے کہ ایبٹ آباد یا راولپنڈی میں میری بیٹی کا گھر ضرور بنے گا اور ہم ہر سال وہاں جایا کریں گے۔"

یوسف نے کہا: "میں موسم گرما کے آغاز سے پہلے ہر صورت یہ کام

ختم کروں گا اور اس کے بعد فہمیدہ اور نسرین کے ساتھ کاغان کی سیر کروں گا اور مجھے سیر کے دوران کام کے لئے جو وقت ملے گا وہ میں قوم کے نام ایک اہم پیغام کی تکمیل پر صرف کروں گا۔ جمیل صاحب! دراصل اس ملک میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ابھی تک ہندوؤں کے عزائم کے متعلق خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔ میں اس سے بہت ڈرتا ہوں کہ ہم اپنی مسلسل غفلتوں کے باعث کہیں ایسے حالات کا سامنا نہ کریں جو صدیوں کے اقتدار کے بعد اندلس کے مسلمانوں کو پیش آئے تھے۔ اور میرے بھائی! کبھی کبھی میں یہ سوچتا ہوں کہ میں نے کتنا بڑا کام اپنے ذمہ لے لیا ہے اور میرے پاس اتنا تھوڑا وقت ہے۔ اگر زندگی کے آخری لمحات میں مجھے یہ اطمینان ہو کہ جو کام میں نے اپنے ذمہ لیا تھا اسے میں اپنی اس ہمت، عقل اور دانش کے ساتھ اس سے بہتر نہیں کرسکتا تھا، تو تم موت کے وقت بھی میرے چہرے پر مسکراہٹ دیکھو گے۔"

———

نسرین تیزی سے روبصحت ہو رہی تھی اور اس نے اپنی بہن اور سہیلی کے ساتھ گھومنا پھرنا بھی شروع کر دیا تھا۔ یوسف صبح نماز پڑھتے ہی لمبی سیر کے لئے نکل جایا کرتا تھا۔

ایک دن وہ سیر سے واپس آیا تو اسے گھر پر مکان سے باہر دو موٹریں اور اندر مہمانوں کی چہل پہل دکھائی دی۔ وہ ڈیوڑھی میں داخل ہوا تو وہاں عبدالعزیز کے پاس دو فوجی افسر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ایک لمحہ کے لئے ٹھٹکا اور پھر "السلام علیکم" کہہ کر باری باری ان سے بغل گیر ہوا۔ عقب کے دروازے سے نسرین نمودار ہوئی اور اس نے کہا:

"بھائی جان! آپ کو معلوم ہے، یہ کون ہیں؟"

یوسف مسکرایا اور اس نے کہا: "دیکھو نسرین! جو مہمان کو پہچان لے اس کا پہلا فرض یہ ہے کہ اس کا دوسروں سے تعارف کرائے، ویسے اپنے محسنوں کو کیا کبھی کوئی بھول بھی سکتا ہے؟" اور یہ کہتے ہی وہ میجر آفتاب اور کیپٹن نعیم سے دوبارہ بغلگیر ہو گیا ——

"بھائی جان" نسرین بولی: "یہ ہماری گاڑی بھی لے آئے ہیں۔ جو ہم راوی کے پار ان کے پاس چھوڑ آئے تھے اور وہ آپ نے دروازے کے باہر دیکھی ہو گی۔"

"نسرین! ان کو تو دیکھتے ہی میں نے تھوڑا تھوڑا پہچان لیا تھا، لیکن باہر جو گاڑیاں کھڑی تھیں ان کی طرف میں نے غور سے نہیں دیکھا۔"

نسرین بولی: "بھائی جان! میں سوچ رہی تھی جب آپ سیر سے واپس آئیں گے تو تھوڑی دیر بعد آپ اور ان معزز مہمانوں کے قہقہے سنائی دیتے رہیں گے۔ لیکن جب کمرے سے کوئی آواز نہ آئی تو میں سمجھی آپ نے انہیں بالکل نہیں پہچانا۔"

"بھئی، آرام سے بیٹھو، تھوڑی دیر تک تمہیں یہ شکایت نہیں رہے گی کہ میں اور میرے محسن قہقہے لگانا بھول گئے ہیں —— میجر صاحب! آپ کو یہ مکان تلاش کرنے میں کوئی دقت تو نہیں ہوئی؟"

میجر آفتاب نے کہا: "قطعاً نہیں، جب ہم آپ کی تلاش میں نکلے تھے تو خوش قسمتی سے پہلا آدمی جس سے ہم نے آپ کے گھر کا پتا پوچھا تھا وہ اسلامیہ کالج میں آپ کا کلاس فیلو رہ چکا تھا اور وہ سیدھا ہمیں یہاں لے آیا تھا۔"

یوسف نے کہا: "آپ کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اور جتنے دن آپ لاہور میں ہیں۔ آپ میرے ہاں مہمان رہیں گے۔"

میجر آفتاب نے کہا: "ہم بہت مصروف رہے ہیں۔ آپ کو راوی کے پار پہنچانے کے تقریباً دس پندرہ روز بعد ہمیں کانگڑہ اور چھوٹی چھوٹی پہاڑی ریاستوں سے لے کر کلو تک سے آنے والے قافلوں کی حفاظت پر متعین کر دیا گیا تھا۔ اِن قافلوں میں ایسے لوگوں سے بھی ہمارا تعارف ہوا جنہیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ اپنے پہاڑوں اور وادیوں سے نکلنے کے بعد وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ ان کا ہر قدم پاکستان کی منزل کی طرف اٹھ رہا ہے لیکن جب وہ ضلع گورداسپور کی حدود میں داخل ہو جاتے تھے تو انہیں یہ معلوم ہوتا تھا کہ زمین کا یہ خطہ جسے وہ اپنا وطن سمجھتے تھے، ریڈکلف ماؤنٹ بیٹن اور ہندو کانگرس کی ملی بھگت کے باعث سیوا سنگھیوں اور سکھوں کے مورچوں میں تبدیل ہو چکا ہے اور یہاں قدم قدم پہ تباہی اور موت ان کا انتظار کر رہی ہے۔"

کیپٹن نعیم بولا: "جو کچھ ہم نے دیکھا ہے اگر آپ دیکھتے تو اپنی قوم کی خواتین، بچوں اور بوڑھوں کے آلام و مصائب کی داستانوں کے سوا اور کچھ لکھنے کے لئے آپ کو بہت تھوڑی فرصت ملتی۔ کبھی کبھی مجھے یہ خیال آتا ہے کہ اتنا کچھ دیکھنے کے بعد بھی میں زندہ ہوں؟ کتنے دریا اور نالے تھے جنہیں عبور کرتے ہوئے بعض لوگ اپنے بال بچوں کے ساتھ تند و تیز لہروں کا شکار ہو گئے تھے۔ کتنے قافلے ہلاک ہوتے تھے، جن کا ہمیں کوئی نشان نہیں ملتا۔ یہ تھکے ہارے لوگ رو بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ ان میں آواز نکالنے کی سکت نہیں تھی لیکن جب میں ہلکی ہلکی سسکیوں اور خاموشی سے بہتے ہوئے آنسوؤں کا تصوّر کرتا

ہوں تو میرا دل پھٹنے لگتا ہے ــــــ یوسف صاحب! ہمارا یہ المیہ ہے کہ جن علاقوں پر ہمارا حق تھا، انہیں آج ہندو اپنی شکار گاہ سمجھتا ہے اور ہم زندہ رہنے کے لئے اپنی ذمہ داریاں پوری کئے بغیر زندہ رہنے کا حق نہیں منوا سکتے ــــــ ہماری پہلی ذمہ داری یہ سمجھنا اور یہ جاننا ہے کہ ہمارا ازلی اور ابدی دشمن کون ہے؟ اس کے عزائم کتنے ہولناک ہیں؟ اور اس کا منہ پھیرنے کی ذمہ داریوں سے ہم کس طرح عہدہ برآ ہو سکتے ہیں؟ میں خوش ہوں کہ مجھے میجر آفتاب جیسا ایک رفیق مل گیا ورنہ میرے کانوں نے جو چیخیں سنی ہیں اور جو کچھ ان آنکھوں نے دیکھا ہے۔ وہ یقیناً ایک انسان کو پاگل کر دینے کے لئے کافی ہے۔ کبھی کبھی میں یہ سوچا کرتا تھا کہ جب ہم سوچنا چھوڑ دیں گے تو ہمیں ماضی کی کوئی یاد تکلیف نہیں دے گی لیکن ایک انسان کی یہ کتنی بڑی بدقسمتی یا خوش قسمتی ہے کہ وہ سوچنے کی عادت ترک نہیں کر سکتا ــــــ یوسف صاحب! آپ ایک ادیب ہیں اور میں آپ سے انتہائی اہم بات کہنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ہمیں زمین ملی ہے۔ لیکن ابھی اپنا گھر ہم نے بنانا ہے، جسے دیکھنے والے یہ محسوس کریں کہ یہاں کوئی باشعور قوم بستی ہے۔ ایسے گھروں کے نقشے قوموں کے اذہان اور قلوب میں بنتے ہیں اور قوموں کے ذہن اُن کے مکتب اور مدرسہ میں تیار ہوتے ہیں ــــــ جب میں اور ہندوستان سے آنے والی گاڑیوں کا خیر مقدم کرنے والے، اُن کے اندر زندہ لوگوں کی بجائے لاشیں دیکھا کرتے تھے اور ہر دوسرے تیسرے گھر میں کسی عزیز کا ماتم ہو رہا ہوتا تھا تو یہاں میں نے دیکھا ہے کہ چھوٹے چھوٹے شہروں میں آدھی آدھی رات تک مشاعرے ہوتے تھے اور ان کا کلام سننے والوں کے ذہن میں یہ خیال تک نہیں آتا تھا کہ ہم پر کوئی عبرت ناک دور گذر چکا ہے ــــــ یوسف صاحب! مَیں آپ کی ہر کتاب کئی کئی بار پڑھ چکا ہوں اور میں آپ کو

یہ بتانے کی جسارت نہیں کرسکتا کہ آپ کو کیا کرنا چاہیئے۔ ان حالات میں اگر آپ مجھ ایسے سادہ آدمی کا مشورہ قبول کر سکتے ہیں تو میں بار بار یہ کہوں گا کہ یہ چیخ پکار کا وقت ہے، پوری قوت سے چلّائیے اور پوری طاقت سے چیخیئے اور اس قدر چیخیئے کہ ہزاروں انسان چونک کر آنکھیں کھول دیں اور پھر ان کی آوازیں آپ کی آواز میں شامل ہو جائیں۔"

میجر آفتاب نے کہا: "مجھے یقین ہے کہ یوسف صاحب ہم دونوں کی نسبت کہیں زیادہ یہ جانتے ہیں کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے۔ اور میں پورے یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ جب ان کے منہ سے چیخیں نکلیں گی تو انہیں چاروں اطراف بے شمار حساس لوگوں کی چیخیں سنائی دیں گی۔ ہم یوسف صاحب کو یہ مشورہ نہیں دے سکتے کہ کس وقت انہیں کیا کام کرنا چاہیئے۔ ——— یوسف صاحب! کبھی کبھی میں اور نعیم صاحب، آپ کے متعلق اس بات پر تعجب کیا کرتے تھے کہ: ایک انسان کی کون سی خوبی ہے، جو آپ میں نہیں۔"

یوسف نے جواب دیا: "مجھے معلوم نہیں کہ میں کیا ہوں لیکن جن حالات کا میں سامنا کر رہا ہوں مجھ سے وہ جو تقاضا کرتے ہیں۔ میں اس سے منہ نہیں پھیر سکتا۔ اگر میرا مقدر یہی ہے کہ میں اپنے راستے کے انگاروں پر بھی ثابت قدمی سے چلتا رہوں تو میں کسی جگہ ڈگمگانا یا گر پڑنا گوارا نہیں کروں گا۔"

چند ثانیئے کمرے میں خاموشی طاری رہی۔ پھر میجر آفتاب نے عبدالعزیز سے مخاطب ہو کر کہا: "جناب! جب ہم کالج کے طالب علم تھے تو ہم بڑے شوق سے یوسف صاحب کی تقریریں سنا کرتے تھے۔ لیکن ہمیں چند سال بعد یہ پتا چلا کہ یوسف صاحب جب اپنی تقریر کے دوران کوئی روح پرور قصہ بیان کیا کرتے تھے تو یہ خود ہی اس کا مرکزی کردار ہوتے تھے۔ اس روز جب انہوں

نے اپنے قافلے کو چھوڑ کر اچانک واپس جانے کا فیصلہ کیا تھا تو یہ اتفاق تھا کہ ہم ان سے مل گئے تھے۔ ان کی باتیں بہت مختصر تھیں لیکن ان کا انداز ایسا تھا کہ یہ اپنے سپاہی ساتھیوں سے کوئی مشورہ لینے کی بجائے اپنا فیصلہ خود صادر کرتے مجھے یقین ہے اور ایسی کئی باتیں ہوں گی جنہیں یوسف صاحب نے غیر اہم سمجھ کر ان کا ذکر تک نہیں کیا ہوگا۔ اب وقت نہیں۔ ہم کھانا کھاتے ہی یہاں سے امرتسر کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ اور مجھے ڈر ہے کہ بعض ضروری باتیں رہ جائیں گی۔ پہلی تو یہ ہے کہ آپ کے مویشی بمع دو خوب صورت گھوڑیوں کے راوی کے پار چودھری عزیز دین نمبردار کے ہاں پہنچا دیئے گئے ہیں۔ آپ کے آدمی جب چاہیں جا کر انہیں لے آئیں۔ اگر ہم مصروف نہ ہوتے تو ہم انہیں بہت پہلے روانہ کر دیتے اور بھائی صاحب! آپ کا سردار جگت سنگھ ایک عجیب و غریب آدمی ہے۔ وہ چند گھنٹوں کے اندر اندر ہمارا دوست بن گیا تھا۔ جب ہم اس کے گاؤں میں اپنا کام ختم کر کے گورداسپور کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو اس نے ہمیں آپ کے نام ایک خط لکھ کر دیا تھا۔ آپ جلدی سے یہ پڑھ لیں اور اگر جواب دینا چاہیں تو بھی لکھ دیں۔ آج کل بذریعہ ڈاک کسی چیز کا ملنا بہت مشکل ہے۔ سردار جگت سنگھ یہ بھی کہتا تھا کہ وہ ایک بہت اچھی نسل کی گائے کا تحفہ آپ کو بھیجنا چاہتا ہے۔ کیا ہم اسے یہ کہہ دیں کہ آپ نے یہ تحفہ خوشی سے قبول کر لیا ہے۔ لیکن ایک شرط رکھی ہے کہ ان کے مویشیوں میں سے جو جانور آپ کو پسند آئے وہ آپ رکھ لیں۔"

یوسف نے کہا: "یہ بہت اچھی بات ہوگی اور مجھے یقین ہے کہ سردار صاحب میری پیشکش رد نہیں کریں گے۔"

چند منٹ بعد یوسف، جگت سنگھ کا خط پڑھ رہا تھا۔

سردار جگت سنگھ نے لکھا تھا:

"سوہنے کاکا جی!

آج آپ کو خط لکھنے کا ارادہ کیا تو تمام اچھی باتیں جو میرے دل میں تھیں اچانک بھول گئیں۔ مجھے یقین ہے کہ کسی دن آپ کی شہرت تمام سرحدوں سے آگے نکل جائے گی اور میں بڑے فخر کے ساتھ آپ کی کامیابیوں کے قصے سنا کرونگا۔

کاکا جی! یہ کوئی فرضی بات نہیں میرا دل گواہی دیتا ہے کہ ایسا ضرور ہوگا۔ میرا دل یہ بھی گواہی دیتا ہے کہ جب ایسا ہوگا تو میرے اور بہادر سنگھ کے گھر کا چھوٹے سے چھوٹا آدمی بھی آپ کو سلام کہے گا تو آپ اسے دیکھتے ہی پہچان لیں گے۔ آپ بہت بڑے ہو کر بھی یہ ظاہر کرنے کی کوشش کیا کریں گے کہ آپ ایک عام آدمی سے کسی صورت بڑے نہیں، لیکن پہچاننے والے آپ کو دور ہی سے دیکھ کر پہچان لیا کریں گے۔ اس وقت شاید میری آنکھیں کام نہ کریں۔ لیکن کسی جگہ دو آدمیوں کو ایک بڑے آدمی کے متعلق باتیں کرتے ہوئے سُن کر ہی میں یہ سمجھ جایا کروں گا کہ وہ بڑا آدمی آپ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

کاکا جی! میں کبھی کبھی یہ سوچتا ہوں کہ دنیا میں اگر آپ جیسے آدمیوں کی تعداد زیادہ ہوتی، میرا مطلب ہے کہ جس جگہ وہ ایک یا دو لاکھ ہیں وہاں وہ پچاس یا ساٹھ لاکھ سے زیادہ ہوتے تو شہروں اور بستیوں میں کتنا سُکھ ہوتا۔ آپ کے مویشی پار پہنچا دیئے گئے ہیں اور نمبر دار عزیز دین یا تو آپ کے آدمیوں کے حوالے کر دے گا یا خود پہنچانے کا انتظام کرے گا۔ ان کے ساتھ ایک چھوٹا سا تحفہ میں اپنی طرف سے بھی بھیجنا چاہتا تھا لیکن آپ کے فوجی دوست یہ کہتے ہیں کہ اگر آپ یہ تحفہ قبول کرنے پر رضامند ہوتے تو یہ گائے دوسرے مویشیوں کے ساتھ بھیج دی جائے گی۔

بہادر سنگھ اپنے گھر میں بہت خوش ہے۔ شاید یہ آپ کی کسی دعا کا اثر ہے کہ وہ تھانے دار بھی ہو گیا ہے اور اس کا تبادلہ لدھیانہ میں ہو گیا ہے۔ میں اس لئے بھی خوش ہوں کہ وہاں اس کے دشمن نہیں ہوں گے۔ سردار منگل سنگھ ایک دن آیا تھا اور وہ یہ کہتا تھا کہ اگر میں آپ سے کبھی ملوں تو اُس کا سلام بھی کہہ دوں۔

کاکا جی! ان حالات میں مَیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ مجھے آپ سے دور ہو جانے کا بہت دُکھ ہے۔ کسی کا ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جانا تو ایک عام سی بات ہے۔ لیکن جب جدائی کے ساتھ انسانوں کے درمیان پریم کے بندھن بھی ٹوٹ جاتے ہیں تو بہت تکلیف ہوتی ہے ـــــ کاکا جی! جو کچھ ہماری طرف سے آپ کی قوم کے ساتھ ہوا ہے اس کا مجھے بہت دکھ ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ کسی دن بہت سے لوگ یہ دکھ محسوس کریں گے۔ لیکن وقت اتنا آگے جا چکا ہو گا کہ ان کے لئے ماضی کی کسی غلطی کی تلافی کرنا ممکن نہیں ہو گا۔

کاکا جی! میری عمر کے آدمی کو زندہ رہنے کا ایک ہی فائدہ ہے کہ اگر وہ اچھے لوگوں کے لئے کچھ اور نہ کر سکے تو مرتے وقت تک ان کے لئے اچھی دعا ہی کر سکتا ہے۔

کاکا جی! میں آپ کے لئے بہت دعائیں کرتا ہوں۔ بھگوان تمہیں اور تمہارے عزیزوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔ آپ کے جو لوگ مارے گئے تھے۔ ان کا مجھے بہت افسوس ہے۔ میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ ان میں سے کسی کے ساتھ میں نے باتیں کی تھیں یا نہیں لیکن سیانے لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب ایک مرد اُٹھ جاتا ہے، جہان سنسان ہو جاتا ہے اور آپ کے خاندان کے متعلق تو میں نے یہ سنا

تھا کہ ان میں سے پورے گیارہ قتل ہو گئے تھے۔

کاکاجی! بہت سی باتیں ہیں۔ جو خط میں لکھنا مشکل ہے اور آپ نے یہ دیکھ لیا ہوگا کہ قلم پکڑتے ہوئے میرا ہاتھ کانپتا ہے۔ کبھی کبھی میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ ہم ایک بار پھر گاڑی پر سفر کر رہے ہوں، سفر بہت لمبا ہو۔ راستے میں ایسے بے شمار واقعات پیش آئیں کہ جب یہ سفر ختم ہونے کے قریب آئے تو ہم دوست بن چکے ہوں۔ کاکاجی! بڑی سادہ سی خواہش ہے یہ، لیکن اس دنیا میں یوں ہی کوئی خواہش پوری نہیں ہوتی۔ انسان کو ہمیشہ کسی نیکی کا صلہ ملتا ہے۔ زیادہ نیکی ہو تو زیادہ صلہ ملتا ہے۔

فقط آداب۔ آپ کا بابا جگت سنگھ

تھوڑی دیر بعد میجر آفتاب اور کیپٹن نعیم، یوسف کے خاندان کے دوسرے آدمیوں کے ساتھ کھانے کے دسترخوان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کھانے کے بعد میجر آفتاب نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا:

"میرا خیال ہے کہ اب ہمیں یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیئے۔ اگر آپ کے آدمی دریا کے اس پار چودھری عزیز دین نمبردار کے پاس پہنچ گئے تو مویشی اسی وقت اُن کے حوالے دیئے جائیں گے۔ شاید وہاں ہمارا کوئی آدمی آپ کی مدد کے لئے موجود ہو۔ دوسری صورت میں یہ مال مویشی چودھری عزیز دین چند میل دور گاؤں میں پہنچا دے گا۔ جہاں پولیس کی چوکی موجود ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ ہمارا بھی کوئی آدمی اُس سے تعاون کے لئے موجود ہو گا۔"

یوسف نے کہا: "میجر صاحب! میں آپ کا مشکور ہوں۔ اتنا کچھ کھونے کے بعد ہم نے مویشیوں کے مسئلے کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ لیکن لائل پور کے

ایک چک میں پہنچ کر ہمارے خاندان کے لوگوں کو یہ محسوس ہوا کہ ہم اپنی گائے بھینسوں کے بغیر نہ تو دودھ کی ضرورت پورا کر سکتے ہیں اور نہ اپنے بیلوں کے بغیر کھیتوں میں فصلیں کاشت کر سکتے ہیں۔"

پھر وہ کہنے لگا: "موٹر یہاں پہنچا دینے کے لئے میں اپنی طرف سے اور اس سے زیادہ چچا عبدالعزیز صاحب کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں ان کی طرف سے اس لئے کہ موٹر ان کی تھی اور میں صرف ضرورت کے وقت استعمال کیا کرتا تھا۔ اور اب بھی ایسا نظر آتا ہے کہ میں ضرورت کے وقت استعمال کیا کروں گا۔"

دو منٹ بعد میجر آفتاب اور کیپٹن نعیم کار پر بیٹھ کر روانہ ہو چکے تھے۔

عبدالعزیز نے غور سے موٹر کو دیکھتے ہوئے کہا: "بیٹا یوسف! مجھے ہرگز یہ امید نہ تھی کہ آپ کے دوست نہ صرف موٹر کو یہاں پہنچا دیں گے بلکہ پہلے سے بھی بہتر حالت میں پہنچائیں گے۔ مجھے اب بیگم صاحبہ کے والد کو فون کر کے ان کے پرانے ڈرائیور کو یہاں بلانا پڑے گا اور اس کے رہے سہے نقص دور کرنے کے لئے اسے ورکشاپ بھیج دوں گا۔ جب یہ ٹھیک ہو کر بالکل نئی بن جائے گی تو اسے شادی کے تحفہ کے طور پر بیٹی فہمیدہ کو پیش کر دیا جائے گا اور یہ تمہارے استعمال میں رہے گی۔"

یوسف نے کہا: "لیکن چچا جان! چچی جان کو بھی تو اس کی ضرورت ہوگی اور انہیں تکلیف دینے کی بجائے، میں ذاتی کار خریدنے کے لئے دو سال مزید انتظار کر سکتا ہوں۔ اور اگر میں ایک کتاب اور لکھ لوں تو ڈیڑھ سال میں کار میرے پاس ہوگی۔"

عبدالعزیز نے کہا: "اس بات کا فیصلہ تمہاری چچی ہی کریں گی۔ میرا خیال ہے کہ وہ کسی صورت یہ پسند نہیں کریں گی کہ اس نے اپنی لاڈلی بھتیجی کو جو تحفہ دیا ہے اسے ردّ کر دیا جائے۔ اب آیئے! ذرا بیگم صاحبہ سے پوچھ لیتے ہیں کہ وہ اپنا تحفہ رد کئے جانے پر کیا محسوس کریں گی۔"

صحن سے فہمیدہ کی آواز سنائی دی: "چچا جان! چچی جان کا تحفہ بھلا کون ردّ کر سکتا ہے؟"

عبدالعزیز نے جواب دیا: "بیٹی! یوسف کچھ تذبذب میں ہے۔"

"چچا جان! یہ میری وجہ سے تذبذب میں ہوں گے۔ چچی جان کا تحفہ میں ایک مدت سے قبول کر چکی ہوں اور میں اسے دنیا کی بہترین کار پر ترجیح دوں گی۔"

عبدالعزیز نے کہا: "بیٹی! یوسف صاحب کے دوست اسے بہتر حالت میں واپس لائے ہیں۔ لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ اس میں کوئی نقص باقی نہ رہے۔ تم اپنی چچی سے کہو کہ وہ اپنے ابا جان کو فون کر کے ڈرائیور کو منگوالیں تاکہ وہ کار کو ورکشاپ میں لے جائے۔"

فہمیدہ بولی: "چچا جان! وہ فون کر چکی ہیں۔"

"کب؟"

"چچا جان! جب اندر یہ اطلاع پہنچی تھی کہ فوج کے دو افسر ہماری کار لے آئے ہیں تو چچی جان نے پہلے شکرانے کے نفل پڑھے تھے اور پھر اللہ کا شکر ادا کرنے کے بعد اپنے اباجی کو فون کیا تھا اور کہا تھا کہ ——— "اباجی! وہ کار، جو میں فہمیدہ کو دینا چاہتی تھی، ہندوستان سے واپس آگئی ہے ——— جی! واپس لانے والے یوسف صاحب کے وہی فوجی دوست ہیں۔ جنہوں نے نسرین کو دریا عبور کرنے میں مدد دی تھی اور پھر زخمی حالت میں لاہور پہنچایا تھا۔ اب کار

پہلے سے بہتر معلوم ہوتی ہے۔ لیکن میں یہ چاہتی ہوں کہ اس میں معمولی سا نقص بھی نہ رہے اور اس طرح رنگ کر دیا جائے کہ بالکل نئی معلوم ہو ——— انہوں نے یہ جواب دیا تھا کہ ڈرائیور ابھی پہنچ جائے گا اور میں اسے یہ ہدایت بھی کر دوں گا کہ سارے خراب یا گھسے ہوئے پرزے تبدیل کر دیئے جائیں۔ میں خود بھی ورکشاپ جاؤں گا۔"

پھر فہمیدہ نے یوسف سے مخاطب ہو کر پوچھا: "اب تو آپ کو کوئی اعتراض نہیں؟"

"نہیں! بالکل نہیں!! اب تو میں یہ محسوس کروں گا کہ جب میرے پاس اتنے پیسے ہو جائیں گے کہ میں دنیا کی بہترین کار خرید سکوں تو بھی میں یہ کار تبدیل نہیں کروں گا۔ اگر دینے والے کے خلوص اور پیار سے اس کے تحفے کی قیمت کا اندازہ لگایا جائے تو میری نگاہ میں یہ کار دنیا کی بہترین کار ہو گی۔ چچا جان! میں آپ کا اور چچی جان کا شکرگزار ہوں۔"

عبدالعزیز مسکرایا: "بیٹا! جو چیز پیار سے دی جائے اس کا شکریہ ادا نہیں کیا جاتا۔ زندگی میں بعض اتفاقات بڑے عجیب ہوتے ہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ تمہیں ایبٹ آباد پہنچانے کے لئے مجھے کسی سے کار مانگنا پڑے گی۔ اور بیگم صاحبہ کبھی یہ گوارہ نہیں کریں گی کہ میں ان کے والد کے سوا کسی اور سے کار کے لئے کہوں۔ مجھے یہ ڈر تھا کہ اگر انہوں نے کوئی کار یہاں بھیج دی تو پھر وہ واپس نہیں لیں گے۔ بلقیس مجھے پریشان دیکھ کر ہنس پڑی تھی اور اس نے کہا تھا: "کہ جب کوئی معاملہ میرے اور اباجی کے درمیان ہو تو آپ کوئی دخل نہ دیا کریں۔ ہم ایک دوسرے کو بہت سمجھتے ہیں اور یہ بعید از قیاس نہیں کہ جب یوسف، فہمیدہ اور نسرین ایبٹ آباد جانے کا فیصلہ کریں گے تو چند گھنٹے پہلے اباجی کی بہت اچھی کار یہاں پہنچ

جائے ـــــ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے ان سے دوسری کار لینے کی شرمندگی نہیں اٹھانی پڑی"۔

فہمیدہ بولی: "چچا جان! جب آپ مہمانوں سے باتیں کر رہے تھے تو مظفرآباد سے ڈاکٹر کمال الدین کا فون آیا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ میں ہر دوسرے ہفتے جمیل بھائی سے ملنے جایا کرتا ہوں اور ٹیلی فون پر ان سے اکثر گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ وہ آپ کو بہت سلام کہتے تھے۔ ان کے فون کے تھوڑی دیر بعد چچا جمیل کا فون آیا تھا کہ "یوسف صاحب کو تاکید کرو کہ وہ یکم ستمبر تک ایبٹ آباد ضرور پہنچ جائیں۔ کیونکہ تین چار دن بعد جہادِ کشمیر کے لئے ایک اہم جلسہ ہوگا اور بعض معروف لیڈر وہاں تقریریں کریں گے! میں نے چائے کی دعوت پر یوسف صاحب کے چند قدر دانوں کو بھی بلایا ہے۔ میں نے انہیں یہ خبر سنا دی تھی کہ آپ اپنی آئندہ کتاب ایبٹ آباد آکر لکھیں گے۔ اور میرے پاس ٹھہریں گے۔

اس پر کسی نے پوچھا تھا کہ یوسف صاحب سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟ـــ میں نے جواب دیا تھا۔ یوسف صاحب، میری بھتیجی کے شوہر ہیں اور اگر ہمارے درمیان کوئی رشتہ نہ ہوتا تو بھی وہ میرے بہترین دوست ہوتے۔ پھر یوسف صاحب کے متعلق بہت سی باتیں ہوئیں۔ ایک پروفیسر نے کہا کہ جہادِ کشمیر کے سلسلہ میں بڑا اہم جلسہ ہو رہا ہے۔ ہماری جواں نسل یوسف صاحب کی بہت دلدادہ ہے۔ اگر وہ اس جلسہ میں حصہ لے سکیں تو ہمارے مقصد کو بڑی تقویت ملے گی۔ اور یوسف صاحب کو یہ کہہ دیجئے کہ وہ ضرور آئیں کیونکہ میں اس بات کی ذمہ داری لے چکا ہوں کہ آپ مجاہدینِ کشمیر کے اس جلسہ میں شرکت کے لئے پہنچ جائیں گے ـــ انہوں نے نسرین سے بھی بات کی تھی"۔

یوسف نے پوچھا: "تو بیگم صاحبہ! آپ نے کیا جواب دیا ہے؟"

فہمیدہ بولی: "میں اس کے سوا کیا جواب دے سکتی تھی کہ یوسف صاحب جہادِ کشمیر سے دلچسپی رکھنے والوں کو کبھی مایوس نہیں کریں گے۔ ہم انشاء اللہ تین ستمبر سے پہلے ہی یہاں سے چل پڑیں گے۔ چچی جان نے بھی ان سے چند باتیں کی تھیں اور پھر اپنے ابا جان کو فون کیا تھا کہ یوسف صاحب کا اگلے مہینے کی ابتدا میں ایبٹ آباد پہنچنا ضروری ہے کیونکہ انہوں نے جہادِ کشمیر کے سلسلہ میں ایک جلسہ میں تقریر کرنی ہے، ان کا جواب آیا تھا کہ ڈرائیور آج ہی کار ورکشاپ میں پہنچا دے اگر مجھے پورا اطمینان نہ ہوا کہ کار سو فی صد ٹھیک ہے تو میں اپنی کار بھیج دوں گا"۔

یکم ستمبر کی صبح فہمیدہ اور نسرین، چچا اور چچی کو خدا حافظ کہہ رہے تھے۔ فہمیدہ چچی سے مل کر کار میں بیٹھ گئی۔ لیکن نسرین تذبذب کی حالت میں کبھی چچا اور کبھی چچی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بلقیس بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر رہی تھی۔

نسرین بولی: "چچی جان! اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ چچا جان نے آپ کو یہ حکم تو نہیں دیا کہ آپ ہمارے ساتھ نہ جائیں؟"

بلقیس نے جلدی سے آنسو پونچھ کر عبدالعزیز کی طرف دیکھا۔ عبدالعزیز نے مسکراتے ہوئے کہا: "بیگم صاحبہ! آپ بلا وجہ تاخیر کر رہی ہیں۔ جب یوسف جیسے بیٹے اور فہمیدہ اور نسرین جیسی بیٹیاں سفر پر جا رہی ہوں اور آپ ان سے جدا نہ ہونا چاہیں اور ان کی کار میں جگہ بھی ہو تو آپ کو آرام سے ان کے ساتھ بیٹھ جانا چاہیئے"۔

بلقیس نے کہا: "مجھے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ سب کے ذہن میں کوئی ڈراما رچا ہے۔ مجھے تیاری میں صرف پانچ منٹ چاہئیں"۔

نسرین نے ان کا بازو پکڑ کر کار کی طرف کھینچتے ہوئے کہا: "نہیں، چچی جان! آپ کو ایک منٹ بھی ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ ایبٹ آباد پہنچ کر آپ جس چیز کی

ضرورت محسوس کریں وہ آپ کو میرے اور آپا فہمیدہ کے سوٹ کیسوں میں مل جائے گی۔"

بلقیس نے مڑ کر اپنے شوہر کی طرف دیکھا اور کہا: "میں ایک ہفتہ سے زیادہ نہیں ٹھہروں گی اور ہر روز سونے سے پہلے آپ کو فون کر لیا کروں گی۔"

عبدالعزیز نے کہا: "بیگم صاحبہ! اب مزید وقت ضائع نہ کریں۔ ورنہ جمیل کو چائے پینے کے لئے دیر تک آپ کا انتظار کرنا پڑے گا۔ میں نے آپ کی پسند کے کچھ بسکٹ بھی سامان کے ساتھ رکھوا دیئے ہیں۔"

بلقیس نے کار کے قریب جھک کر نسرین سے کہا: "میری ہوشیار بیٹی! جب تمہیں یہ معلوم تھا کہ میں تمہارے ساتھ جا رہی ہوں تو تمہیں یہ خیال نہیں آیا کہ فہمیدہ کو اگلی سیٹ پر اپنے شوہر کے ساتھ بیٹھنا چاہیئے ——— اور یوسف! تم کیا سوچ رہے ہو؟"

یوسف نے جلدی سے آگے بڑھ کر اگلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا اور فہمیدہ پچھلی سیٹ سے نکل کر اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ بلقیس نے پیار سے نسرین کو اپنے ساتھ بھینچتے ہوئے کہا: "ہوشیار لڑکی! تمہیں میری چیزیں رکھوانے کا کب خیال آیا تھا؟"

"رات سونے سے پہلے، چچی جان۔"

"اور تمہارے چچا جان کو معلوم تھا کہ تم میرا سامان رکھوا رہی ہو؟"

"انہیں معلوم نہیں تھا، چچی جان! لیکن میں نے انہیں بتا دیا تھا۔ اس لئے بتا دیا تھا کہ ان کا ردِ عمل معلوم کئے بغیر مجھے یہ اطمینان نہیں ہو سکتا تھا کہ آپ واقعی ہمارے ساتھ جا رہی ہیں۔ میں یہ نہیں چاہتی تھی کہ آپ ہمارے ساتھ نہ جا سکیں اور پھر میرا مذاق اڑایا جائے۔"

بلقیس بولی: "بیٹی دیکھو، جب میں مغموم کھڑی تھی تو کبھی تمہاری شریر آنکھیں

اور کبھی تمہارے چچا کی مسکراہٹ دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کوئی ایسی بات ہو گی کہ میں تمہارے ساتھ بیٹھ جاؤں گی۔"

یوسف نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا: "چچی جان! اگر کوئی بات نہ ہوتی تو میں ایک منٹ بعد یقیناً چچا جان سے کہنے والا تھا کہ آپ کو چند دن ہمارے ساتھ رہنے کی اجازت دی جائے۔"

اچانک باہر سے کار کا ہارن سنائی دیا اور نسرین چلائی: "بھائی جان، رک جائیے! آپا امینہ اور بھائی منظور آ گئے ہیں۔"

منظور نے اچانک کار رکنے کے بعد اسے چند قدم پیچھے ہٹا لیا اور منظور اور امینہ اپنی کار سے اتر کر قریب آ گئے۔ منظور نے کہا: "یوسف بھائی! ہم نے نماز پڑھنے کے بعد اچانک آپ کے پاس آنے کا پروگرام بنایا تھا۔ امینہ کا خیال تھا کہ کار کے بغیر آپ کو سفر میں تکلیف ہو گی۔ میں نے آپ کو فون پر بتانے کی کوشش کی تھی کہ ہم اپنی کار آپ کے حوالے کرنے آ رہے ہیں۔ لیکن آپ کا نمبر مصروف تھا۔ امینہ آپ کے لئے راستے میں کھانے کی کوئی چیز تیار کروا رہی تھی جب دیر ہو گئی تو ہم نے آپ کی طرف بھاگنے کا فیصلہ کیا۔ اب آپ کو راولپنڈی کا رخ کرنے سے پہلے ہمارے گھر کا چکر لگانا پڑے گا۔ آپ وہاں سے کھانا اٹھاتے ہی چل پڑیں۔ صرف آٹھ دس منٹ کا فرق پڑے گا۔"

بلقیس نے کار سے اتر کر امینہ کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا: "بیٹی تم نے یہ کیسے خیال کیا کہ میں نے روانہ ہونے سے پہلے یہ نہیں سوچا ہو گا کہ انہیں راستے میں بھوک بھی لگے گی۔ میں ان کے ساتھ چند دن کے لئے ایبٹ آباد جا رہی ہوں، ورنہ میں انہیں رخصت کر کے آپ کے ساتھ چل پڑتی اور تمہارے باورچی کے لذیذ کباب بڑے شوق سے کھاتی ——— کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم

دونوں ہمارے ساتھ ہی چل پڑو۔"

"چچی جان! اس دعوت کا شکریہ! لیکن ہم چند دن بعد آئیں گے۔ اور میں آپ کے ساتھ کاغان کی خوب سیر کروں گی۔"

"بیٹی! تم دونوں کو آنا چاہیئے۔"

فہمیدہ نے کہا: "چچی جان! جب امینہ کوئی بات کرتی ہے تو وہ میاں بیوی دونوں کی طرف سے ہوتی ہے۔ ہم یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ امینہ کسی دن منظور بھائی کو یہاں چھوڑ کر خود ایبٹ آباد پہنچ جائے گی۔

امینہ بہن! میں کار کی پیش کش کے لئے تمہاری شکر گزار ہوں۔ آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی۔ کہ یوسف اور نسرین جو کار دریائے راوی کے اس کنارے چھوڑ آئے تھے وہ اچانک ہمارے پاس پہنچ گئی ہے۔"

امینہ نے غور سے کار کی طرف دیکھا: "آپا! میں یہ کیسے مان سکتی ہوں کہ یہ کار وہی ہے جو بھائی یوسف بے تحاشا بھگایا کرتے تھے ---- یہ تو بالکل نئی معلوم ہوتی ہے۔"

"اس کی وجہ کچھ تو ان فوجی دوستوں کی مہربانی ہے۔ جن کے پاس وہ یہ کار چھوڑ آئے تھے اور کچھ لاہور کی ورکشاپ کا کمال ہے، جس نے رنگ روغن سے اس کی شکل بدل دی ہے۔"

نسرین بولی: "آپا امینہ! کیا یہ اچھا نہیں ہوگا کہ آپ ایک منٹ کے لئے کار ہمارے راستے سے ہٹالیں اور ہم نکل جائیں۔"

وہ سب ہنس پڑے۔ اور امینہ نے کہا: "شہزادی بہن! اس کوتاہی کے لئے میری معذرت قبول فرمایئے۔"

نسرین بولی: "نہیں آپا، میں نے یہ تو نہیں کہا کہ آپ نے کوئی کوتاہی کی ہے

لیکن آپ شاید یہ بھول گئی تھیں کہ جب تک آپ کی کار راستہ روکے ہوئے ہے ہم آگے نہیں جا سکتے۔"

"اچھا، خدا حافظ! جب تک ایبٹ آباد سے تمہارا یہ فون نہیں آتا کہ تم بخیریت پہنچ گئی ہو۔ میں آپ سب کے لئے دعا کرتی رہوں گی ---- چچی جان! اگر نسرین بھول جائے تو آپ ہمیں فون کردیں۔"

کشمیر کی رزمگاہ

عشاء کی نماز کے بعد ایبٹ آباد کے لوگ کمپنی باغ میں جمع ہو رہے تھے۔ ایک بزرگ صورت آدمی کرسئ صدارت پر رونق افروز تھے۔ جلسہ قرآنِ حکیم کی تلاوت سے شروع ہُوا تو، جلسے کے منتظمین میں سے ایک نوجوان نے اسٹیج پر آکر سامعین سے مخاطب ہو کر کہا:

"حضرات! آپ کو یہ سن کر یقیناً خوشی ہوگی کہ ہمارے ملک کے نامور ادیب جناب محمد یوسف صاحب، جن کا آپ کو ایک عرصے سے انتظار تھا، وہ یہاں تشریف فرما ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ انہیں خطاب کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت دیا جائے۔ اس لئے میں محمد یوسف صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اسٹیج پر تشریف لے آئیں۔"

یوسف عقب سے نمودار ہوا اور اسٹیج پر پہنچتے ہی ایک مختصر سا خطبہ پڑھنے کے بعد اس نے تقریر شروع کی:

"میرے دوستو اور ساتھیو!

کشمیر کی آزادی کے لئے جہاد کرنا ہماری پسند یا ناپسند کا مسئلہ نہیں ہے ـــــ اس سے فرار کا ہر راستہ تباہی کی طرف جاتا ہے اور اس کی اہمیت کا احساس نہ کرنے کا مطلب ہے کہ: ہم نے لاکھوں انسانوں کی قربانی دینے اور

کروڑوں بھائیوں کی ہجرت کے بعد بھی کوئی سبق نہیں سیکھا ـــــ اور ہم نے اُن سازشوں سے بھی کوئی سبق حاصل نہیں کیا، جو ہندوؤں اور انگریزوں نے ہمارے خلاف کی ہیں۔

میرا گاؤں ضلع گورداسپور میں تھا اور میں اپنے گھر سے کانگڑہ کے پہاڑوں کے دِلکش مناظر دیکھ سکتا تھا۔ انگریز کے اپنے اعلانات کے مطابق گورداسپور ہر لحاظ سے پاکستان کا حصہ تھا، لیکن ہندوؤں نے ماؤنٹ بیٹن کو جو لالچ اور ذہنی رشوت دے کر بددیانتی پر آمادہ کیا، وہ یہ تھی: "کہ اگر ہندو سامراج کو کشمیر کا راستہ مل جائے تو وہ ایک ڈومینین کا درجہ قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے!"

ہندوؤں کی طرف سے یہ پیغام وی۔ پی مینن نے شملہ پہنچ کر ماؤنٹ بیٹن کو دیا تھا اور وہ یہ سُن کر کرسی سے اچھل پڑا ـــــ بندر ہمیشہ خوشی کے عالم میں اچھلتا ہے اور ہندوؤں نے بڑی کامیابی سے اسے بندر بنا لیا تھا۔

آپ کو یاد ہو گا کہ ماؤنٹ بیٹن اچانک لندن گیا تھا اور چند دن مشورہ کرنے کے بعد واپس آیا تھا ـــــ حضرات! ـــــ میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ برطانوی حکومت کے ساتھ اس کا یہ مشورہ گورداسپور کو ہندوؤں کی جھولی میں ڈال کر انہیں کشمیر کا راستہ مہیا کرنا تھا ـــــ اس بددیانتی اور بے انصافی کے سوا کشمیر کو ہندوستان کے ساتھ ملانے کی کوئی اور دوسری صورت نہ تھی۔

پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ مہاتما گاندھی جی مہاراج جو کسی زمانے میں ہٹلر کو خطوط لکھا کرتے تھے کہ: "تمہیں لندن پر بمباری کرنے کی بجائے عدم تشدد سے کام لینا چاہیئے۔" وہ اپنے سُوکھے ہوئے وجود پر نازیوں کی وردی کَس کر میدان میں آجاتے ہیں۔ نہرو ڈاکٹر گوئبلز بن جاتا ہے۔ اور پٹیل، فیلڈ مارشل گوئرنگ بن کر دنیا کے سامنے آجاتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کانگرس کے ہر بڑے لیڈر میں کسی بدنام نازی

کی رُوح آ گئی ہے ۔ یہ آخر سب کچھ کیا تھا، میرے دوستو! ـــــ یہ حکومت برطانیہ اور اس کے ہندو دلالوں کا معجزہ تھا۔

میرے بھائیو!

ہمیں ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ کشمیر ہماری زندگی اور موت کا مسئلہ ہے ـــــ کشمیر سے ہی وہ آبِ حیات آتا ہے، جس سے پاکستان کو زندگی ملتی ہے۔ کشمیر ہماری شہ رگ ہے اور کوئی بے وقوف بھی اپنی شہ رگ پر دشمن کا چھُرا برداشت نہیں کر سکتا۔

ہندو ہمارے ساتھ گذشتہ ایک ہزار سال میں کئی جنگیں لڑ چکا ہے اور اس کے نتائج دیکھ چکا ہے! اب اس کی آخری خواہش یہ ہے کہ: اگر وہ پاکستان کو پیاس سے مارنے کی سازش میں کامیاب ہو جائے تو وہ اپنی تمام گذشتہ ناکامیوں کا بدلہ لے سکے گا ـــــ اور اس سازش کی ابتداء در اصل اس وقت ہوئی تھی جب انہوں نے بھاکڑہ بند باندھ کر ستلج کے پانی کا رُخ بدل دیا اور بہاول پُور اور چولستان کے وسیع صحرائی خطوں کو اس کے پانی سے یکسر محروم کر دیا! کشمیر سے نکلنے والے دوسرے دریاؤں کا رُخ بدلنے کی وجہ ایک اس سے کہیں زیادہ اور خوفناک پروگرام کی تکمیل ہے۔

حضرات!

ہمیں اپنے دائمی دشمن کو اس پروگرام کی تکمیل کا موقع نہیں دینا چاہیئے۔ یہ وہ مسئلہ ہے۔ جسے کل پر ملتوی کرنا ہمارے لئے خودکشی کے مترادف ہوگا۔ ہمیں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ بنیا ہمارا دائمی دشمن ہے اور اس کے ہاتھ میں جو بھی ہتھیار ہوگا وہ ہم پر آزمایا جائے گا۔ اگر ہم اس کے ساتھ آج نپٹ سکتے ہیں تو آگے بڑھیں یہ معاملہ کل پر ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیئے ـــــ

ہماری کوتاہیوں کی سزا ہماری آئندہ نسلوں کو نہیں ملنی چاہیئے اور اگر آج ہم چند سو یا چند ہزار جانوں کی قربانی دے کر ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں تو ہمیں اسے اس بات کا موقع نہیں دینا چاہیئے۔ کہ کل کلاں وہ تلوار نکال کر ہماری آئندہ نسلوں کو للکارتا پھرے۔ جب کہ وہ پہلے ہی پیاس اور بھوک سے مر رہی ہوں گی۔

میرے بھائیو اور بزرگو!

آپ ہمیشہ یاد رکھیں کہ ہندو ہمیں تباہ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دے گا یہ وہ لوگ ہیں، جو کمزور کا گلا گھونٹتے ہیں اور طاقتور کے پاؤں پر گرتے ہیں! آپ باور کریں کشمیر میں آپ کے بھائی اور بہنیں کسی محمد بن قاسم، کسی محمود غزنوی اور کسی احمد شاہ ابدالی کو آوازیں دے رہے ہیں۔ اور وقت انتظار کر رہا ہے کہ ان مجاہدوں کے بیٹے آخر کب بیدار ہوتے ہیں؟ ـــــ اور یہ آوازیں اس وقت تک کشمیر کی فضاؤں میں گونجتی رہیں گی جب تک ہم پورے عزم و یقین کے ساتھ حالات کا سامنا کرنے کے لئے تیار نہیں ہو جاتے۔

معزز خواتین و حضرات!

اس دنیا کے تمام کام اہم ہوتے ہیں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جب جہاد کا مرحلہ آ جاتا ہے تو کسی اور کام کی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ اس اجتماع کی اطلاع ملنے سے پہلے میں ایبٹ آباد میں ٹھہرنے کے لئے ایک لمبا چوڑا پروگرام بنا چکا تھا، لیکن آج میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ ـــــ آئندہ جو قافلہ جہادِ کشمیر میں حصہ لینے کے لئے یہاں سے روانہ ہوگا۔ آپ مجھے اس کے ہراول دستے میں پائیں گے۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ قافلہ ابھی کتنے دنوں میں یہاں سے روانہ ہوگا۔ لیکن میں آج ہی سے اپنی تیاری شروع کر دونگا۔

میرے عزیز ہم وطنو!

خدا آپ میں سے ہر ایک کو یہ توفیق دے کہ وہ جہاد کشمیر میں اپنے اپنے

حصے کی ذمہ داری پوری کر سکے۔"

جلسے کے اختتام پر یوسف گھر کی طرف روانہ ہوا۔ چند لوگ باتیں کرتے ہوئے اس کے ساتھ چل پڑے۔ ڈاکٹر جمیل کے بنگلے کے قریب پہنچ کر اس نے ایک معمر آدمی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا:

"جناب! جب بھی یہاں سے مجاہدین کا قافلہ تیار ہو جائے تو مجھے ڈیڑھ گھنٹہ قبل اطلاع بھیج دیں۔"

ایک نوجوان نے کہا: "جناب! طلبہ کی خواہش ہے کہ آپ کسی دن انہیں بھی خطاب کریں۔"

یوسف نے جواب دیا: "مجھے طلبہ سے باتیں کر کے خوشی ہوگی۔ آپ جب چاہیں آکر مجھے یہاں سے لے جائیں۔"

یوسف نے یکے بعد دیگرے ان سے گیٹ کے باہر مصافحہ کیا اور اندر چلا گیا۔

نسرین کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکلی اور بولی: "بھائی جان! ہم نے آپ کی ساری تقریر سن لی تھی۔ میں نے اور آپا فہیدہ نے بھی: چند خواتین آئی تھیں۔ اور بڑے اصرار کے ساتھ ہمیں اپنے گھر لے گئی تھیں۔ جہاں سے ہمیں آپ کی آواز صاف سنائی دیتی تھی۔ اور مجھے اس بات کا افسوس ہو رہا تھا کہ چچی بلقیس ہمارے ساتھ نہیں تھیں، ورنہ وہ بہت خوش ہوتیں۔ بھائی جان! جب وہ عورتیں آپ کو "میرا بھائی" کہتی تھیں تو مجھے بڑا فخر محسوس ہوتا تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ مجھے یہ سن کر کوئی پریشانی نہیں ہوئی کہ آپ کشمیر جا رہے ہیں۔ بلکہ مجھے اس سے خوشی ہوئی ہے۔ میں آپ کے لئے فتح و نصرت کی دعائیں مانگا کروں گی۔ جب بھی میں آپ کے

لئے دعا کیا کرتی تھی تو مجھے بہت سکون ملتا تھا۔ اب میں آپ کے لئے اور زیادہ دعائیں کیا کروں گی اور مجھے اور زیادہ سکون ملے گا۔" آپا جان کی طبیعت دوپہر کے وقت کچھ خراب تھی، میں نے نوکر کو چچا جان کے پاس بھیج دیا تھا اور چچا جان نے اس کے ساتھ ایک لیڈی ڈاکٹر کو بھیج دیا تھا۔ اس نے آپا جان کا معائنہ کرنے کے بعد تسلی دی تھی کہ ——"آپا بالکل ٹھیک ہیں۔ میں واپس جا کر ایک دوائی بھیجتی ہوں۔ اور باقی باتیں آپ کے چچا کو بتا دوں گی۔ میرا خیال تھا کہ میں ہفتے میں دوبار ضرور آیا کروں گی لیکن آپ کی آپا جان اتنی پیاری لگتی ہیں کہ میں بلا ناغہ یہاں آیا کروں گی"——

نوکر دوائی لینے کے لئے ان کے ساتھ گیا تھا اور ڈاکٹر صاحبہ نے دوائی کے ساتھ خوبصورت پھولوں کا ایک گلدستہ اور شہد کی ایک بوتل بھی بھیج دی ہے——

بھائی جان یہاں کے ڈاکٹر بہت اچھے ہیں کہ کڑوی دوائی کی بجائے شہد دیتے ہیں۔"

یوسف نے فہیدہ کے کمرے میں داخل ہو کر "السلام علیکم" کہا اور فہیدہ بستر سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ نسرین نے پوچھا:

"بھائی جان! آپ کا کھانا لے آؤں۔"

"ہاں، ہم دونوں کا کھانا یہیں لے آؤ۔"

"بھائی جان! آپا جان کہتی ہیں کہ آج میرا کچھ کھانے کو جی نہیں چاہتا۔"

"بھئی، ممکن ہے کہ کمزوری کی وجہ سے وہ تھوڑا بہت کھالیں۔ ورنہ گرم پانی میں تھوڑا سا شہد ملا کر پلا دیں گے۔ نوکر سے کہیں گھر میں جو سیب کا رس نکالنے کی مشین ہے، وہ گرم پانی سے اچھی طرح صاف کرلے اور بازار سے اچھے سے سیب لے آئے۔"

"بھائی جان! آپ پریشان نہ ہوں آپا جی بالکل ٹھیک ہیں۔"

"شہزادی بہن! میں نے کب کہا ہے کہ میں پریشان ہوں۔"

"میں آپ کی پریشانی آپ کے چہرے سے دیکھا کرتی ہوں۔"

"چڑیل! میں تمہیں خوش نظر نہیں آتا؟"

"بھائی جان! کبھی کبھی میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔"

یوسف نے فہمیدہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "معلوم ہوتا ہے کہ میں کوئی اچھی خبر سننے والا ہوں۔"

فہمیدہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: "آپ کا خیال ہے کہ میں اتنا بھی نہیں سوچ سکتی کہ ڈاکٹر صاحبہ سے آپ نے کتنے سوال پوچھے ہوں گے؟"

"ڈاکٹر صاحبہ ایک نیک خاتون ہیں اور میں اُن کا شکر گزار ہوں۔"

فہمیدہ نے کہا: "آپ کا ناول پڑھتے ہوئے میں سوچا کرتی تھی کہ جب کوئی جہاد میں حصہ لینے کا اعلان کرتا ہے تو اس کی بیوی پر کیا گزرتی ہے؟"

"اچھا! یہ بھی بتا دیجئے کہ کیا گزرتی ہے بیگم صاحبہ پر؟"

"جی! ایسی صورت میں بیگم اس کی سلامتی کے سوا کوئی اور دعا نہیں کر سکتی۔"

یوسف بولا: "فہمیدہ! جب میں نے تقریر کرتے ہوئے اس بات کا اعلان کیا تھا تو مجھے اس بات کا یقین تھا کہ رخصت ہوتے وقت تمہارے چہرے پر مسکراہٹ دیکھوں گا۔"

فہمیدہ کے چہرے پر پھیلتی ہوئی دلکش مسکراہٹ کے ساتھ اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا: "یوسف! مجھے یقین ہے کہ آزمائش کے وقت میں آپ کو مایوس نہیں کروں گی۔"

یوسف نے کہا: "فہمیدہ! اگر میں تمہاری تصویر میں تمہاری مسکراہٹ کے ساتھ ہلکے ہلکے آنسو بھی دکھا سکتا تو وہ میرا شاہکار ہوتی۔"

فہمیدہ بولی: "جناب! آپ میری تصویریں بنانے کی بجائے کئی اور

اہم کاموں کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔"

پانچویں دن یوسف کشمیر کے جہاد میں حصہ لینے والے مجاہدوں کے ایک قافلے کے ساتھ روانہ ہو چکا تھا اور فہمیدہ دونوں ہاتھ پھیلا کر دعا کر رہی تھی:

"یا اللہ! وہ جس طرح مسکراتے ہوئے گئے ہیں، اسی طرح مسکراتے ہوئے واپس آئیں اور میں اُن کے ساتھ جانے والوں کی بیویوں کی زبانی اُن کے کارنامے سنا کروں۔"

چھ ماہ گذر گئے۔

پہلے چار مہینوں میں یوسف کے تین خطوط ملے تھے۔ آخری خط میں اس نے لکھا تھا کہ:

"شاید کچھ دیر میں آپ کو نہ لکھ سکوں لیکن آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ میں ایک ایسے محاذ پر جا رہا ہوں جہاں سے کوئی پیغام بھیجنا آسان نہیں ہوگا۔ بہر صورت میرے دوست آپ کو میری خیریت کی اطلاع دیتے رہیں گے اور جب میں واپس آؤں گا تو میری باتیں آپ کو یہ یقین دلانے کے لئے کافی ہوں گی کہ میرے لئے خط بھیجنا واقعی مشکل تھا۔ میں نے گھر سے آتے ہی چچی جان کو لکھا تھا کہ انہیں میری غیر حاضری میں ایبٹ آباد رہنا چاہیئے۔ امید ہے کہ وہ پہنچ گئی ہوں گی۔ میرا ان کو سلام کہہ دیجئے اور بہت سی دعاؤں کے لئے التجا کیجئے۔ نسرین ——— میرا مطلب ہے شہزادی نسرین صاحبہ کو بے حساب دعائیں اور اگر آپ کے ابا جان اور امی جان بھی ایبٹ آباد میں ہوں تو انہیں بھی میرا سلام کہہ دیجئے۔ مجھے امید ہے کہ میرے واپس آنے سے پہلے میری نئی کتاب "گمشدہ قافلے" شائع ہو چکی ہوگی۔

خوشی کی بات ہے کہ ڈاکٹر کمال الدین بھی یہاں پہنچ گئے ہیں اور انہوں نے پہلے ہفتے ہی میں تین انتہائی اہم آپریشن بہت کامیابی سے کئے ہیں۔ وہ عام طور پر ایسی جگہ ہوا کریں گے، جہاں سے فون پر بات کرنا آسان ہوگا اور میرے متعلق آپ کو ان سے اطلاع ملتی رہے گی۔ وہ آپ کو، چچا جان ڈاکٹر جمیل اور شہزادی نسرین کو سلام کہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے وہ کسی دن ایبٹ آباد بھی آئیں۔ میں اپنے ساتھ بہت سی کتابیں لایا تھا اور وہ مجھے تنہائی کا احساس نہیں ہونے دیتیں۔ میں لکھنے کے لئے بھی کافی وقت نکال لیتا ہوں۔ جب کسی کتاب کا مسودہ مکمل ہو جایا کرے گا، تو کسی نہ کسی طرح آپ کے پاس بھیج دیا کروں گا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی دن خود ہی لے کر آجاؤں۔ ڈاکٹر جمیل صاحب کی وجہ سے مجھے آپ کی صحت کے بارے میں کوئی تشویش نہیں ہوتی۔ اور میں ڈاکٹر فرحت صاحبہ کا شکرگزار ہوں کہ وہ آپ کا اس قدر خیال رکھتی ہیں۔ یہاں شہد بہت ملتا ہے اور میرے پاس دو چھوٹے ٹین جمع ہو گئے ہیں۔ اگر کوئی ایبٹ آباد آنے والا آدمی مل گیا تو آپ کو بھیج دیئے جائیں گے ان میں سے ایک ڈاکٹر صاحبہ کو میرے شکریہ کے ساتھ پہنچا دیجیے۔

میں کبھی کبھی اصل موضوع سے بہت دور نکل جاتا ہوں لیکن ایبٹ آباد ہمیشہ میرے قریب ہوتا ہے۔ اس کے مناظر کبھی میری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوتے۔ جب فرصت ملے گی تو ہم سب بہت لمبی سیر کیا کریں گے۔ میں اس وقت بھی یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں آپ کے ساتھ چیلوں والی پہاڑی پر گھوم رہا ہوں۔

مجھے امید ہے کہ آپ میرے ابا جان اور اپنے والدین کو باقاعدگی سے خط لکھتی ہوں گی۔ ہر خط میں انہیں میرا سلام بھی لکھ دیا کریں اور یہ درخواست بھی کیا کریں کہ مجھے ان کی دعاؤں کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔"

یوسف کو گئے ہوئے ایک مدت ہو چکی تھی اور فہمیدہ نے اب یہ سوچنا بھی چھوڑ دیا تھا کہ کتنے مہینے اور کتنے ہفتے گذر چکے ہیں۔ اس کی زندگی کی تمام راحتیں کمسن ضیاء الدین کے وجود میں جمع ہو چکی تھیں، جسے دیکھنے والے یوسف کی تصویر کہتے تھے۔ تین ماہ کا یہ خوب صورت بچہ اپنی ماں اور خالہ کے بعد بلقیس سے زیادہ مانوس تھا۔ جب کبھی وہ رو پڑتا تھا تو اس وقت تک چپ نہیں ہوتا تھا، جب تک کہ بلقیس اسے اُٹھا کر لان میں ٹہلنا نہیں شروع کر دیتی تھی۔ جب فضا میں اڑتی ہوئی ابابیلیں دکھائی دیتی تھیں تو ضیاء الدین ان کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہتا تھا اور جس طرف کوئی پرندہ جاتا تھا۔ اس کی گردن اسی طرف گھوم جاتی تھی۔ نسرین اسے اپنے سامنے بستر پر لٹا کر پاس بیٹھ جاتی تھی اور جب اپنے بال کھول کر سر نیچا کر کے ہلاتی تھی تو وہ دونوں ہاتھوں سے اس کے بال پکڑ کر ہنستا تھا۔ یوسف کے والد میاں عبدالرحیم شروع شروع میں کوئی ایک مہینہ کے بعد ایبٹ آباد چند دن کے لئے آیا کرتے تھے، لیکن ضیاء الدین کی پیدائش کے بعد وہ ہر دس پندرہ دن کے بعد اور کبھی اس سے بھی پہلے ایبٹ آباد پہنچ جاتے تھے۔

ایک دن وہ کرسی پر بیٹھے ضیاء الدین کو آہستہ آہستہ اچھال رہے تھے۔

فہمیدہ نماز پڑھ کر کمرے سے نکلی تو میاں عبدالرحیم نے کہا:

"بیٹی! ادھر آؤ!"

فہمیدہ قریب آکر ادب سے کھڑی ہو گئی تو عبدالرحیم نے کہا:

"بیٹی! تمہیں یاد ہے نا ایک دفعہ میں نے کہا تھا کہ تمہارے ساتھ ہمارے گھر میں بہت سی خوشیاں آئی ہیں۔ بیٹی! اب میں سوچ رہا تھا کہ اس گھر میں ضیاء الدین سے بڑھ کر اور کوئی خوشی نہیں ہوسکتی۔ نسرین کو بلاؤ۔"

فہمیدہ نے آواز دی: "نسرین اِدھر آؤ! اباجی بلاتے ہیں"۔

وہ بھاگتی ہوئی قریب آئی تو عبدالرحیم نے کہا:

"نسرین بیٹی! میں تمہیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ جب میں یہاں نہیں ہوتا تو ضیاالدین کی طرح تم بھی مجھے بہت یاد آتی ہو۔ ہاں! ذرا اندر جاکر دیکھو کہ میرے کوٹ کی نچلی جیب میں کتنے پیسے ہیں، وہ سب نکال لو اور جن لوگوں کو تم غریب سمجھتی ہو ان میں تقسیم کردو"۔

نسرین اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے باہر آکر نوٹ گنتے ہوئے کہا:

"اباجی! یہ کوئی بیالیس روپے ہیں"۔

"بیٹی جاؤ، اور یہ ابھی پڑوس کے غریب لوگوں میں تقسیم کر آؤ"۔

پھر وہ فہمیدہ کی طرف متوجہ ہوا: "بیٹی! کھڑی کیوں ہو، بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر تم یوسف کے بچپن اور جوانی کی تمام تصویریں اپنے سامنے رکھ کر ضیاء الدین کی طرف دیکھو تو تمہیں کوئی فرق محسوس نہیں ہوگا"۔

فہمیدہ بولی: "بچی بلقیس کہتی ہیں، تھوڑا سا فرق ہے"۔

"بھئی، مجھے تو کوئی فرق نظر نہیں آتا"۔

"دیکھئے اباجان، وہ آرہی ہیں۔ آپ خود ان سے پوچھ لیجئے۔ وہ یہ کہتی ہیں کہ یوسف ان کا بیٹا ہے، اس لئے وہ زیادہ خوب صورت ہے"۔

عبدالرحیم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: "بیٹی! اگر ضیاء الدین کی دادی زندہ ہوتیں تو وہ کہتیں کہ ــــــ جو لوگ کسی کو میرے پوتے سے زیادہ خوب صورت سمجھتے ہیں، ان کی نظر کمزور ہے"۔

نسرین بولی: "اباجان! اگر بھائی جان یہاں ہوتے تو میں انہیں تمام رشتہ داروں کے سامنے بٹھا کر سب سے پوچھتی کہ آپ فیصلہ کریں کہ ان میں سے کون اچھا ہے؟

اور ــــــ پھر ان سب کا یہی فیصلہ ہوتا کہ یہ دونوں ایک جیسے ہیں۔ ہمیں باپ، بیٹے سے زیادہ اور بیٹا باپ سے زیادہ پیارا لگتا ہے"۔

عبدالرحیم نے فہمیدہ سے پوچھا: "بیٹی! تمہیں اچھی طرح یاد ہے کہ جب اس نے اڑتے ہوئے پرندوں کی طرف دیکھنا شروع کیا تھا تو یہ کتنے روز کا تھا؟"

"اباجی! مجھے اچھی طرح یاد نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ یہ شروع ہی سے ایسا تھا اور پرندوں کو دیکھ کر اچھلنا شروع کردیتا تھا"۔

"یوسف کی ماں بھی یہی کہا کرتی تھی کہ: "میرا بیٹا ابھی چند ہی دنوں کا تھا کہ وہ پرندوں کو پہچاننے لگا تھا اور دیر تک ٹکٹکی باندھ کر ان کی طرف دیکھتا رہتا تھا"۔

ــــــ ــــــ

آخری خط میں یوسف نے لکھا تھا:

"ڈاکٹر کمال الدین غیر متعینہ عرصہ کے لئے مظفر آباد چلے گئے ہیں اور میں پرسوں ایک بڑی مہم پر روانہ ہو جاؤں گا"۔

اس کے بعد ایک ماہ تک یوسف کے متعلق کوئی اطلاع نہ آئی۔ جن لوگوں کے متعلق یہ سوچا جاسکتا تھا کہ وہ یوسف کی خبر دے سکتے ہیں ان کی طرف سے بھی کوئی تسلی بخش جواب نہ آیا، ان کے ہر خط کا آخری فقرہ تقریباً یہی ہوتا کہ: "آپ ایک بہادر آدمی کی بیوی ہیں۔ جنگ میں ایسی باتیں غیر متوقع نہیں ہوتیں۔ آپ کو صبر اور حوصلے سے کام لینا چاہیئے"۔

وہ اپنے دل کو اسی طرح تسلی دیتی رہی کہ یوسف صاحب کے ساتھ جو رضا کار مہم پر گئے ہیں۔ وہ انتہائی بہادر قبائل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور ان لوگوں کا اچانک اس طرح گم ہو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمیں امید ہے کہ ان کے متعلق جو خبر آئے گی۔ پاکستان اور کشمیر کے عوام کے لئے خوشی کی خبر ہوگی۔

ــــــ ــــــ

ایک بہر رات ڈاکٹر جمیل نے ٹیلی فون سننے کے بعد آواز دی:

"نسرین بیٹی! ادھر آؤ۔"

نسرین بستر پر لیٹی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی، وہ بھاگ کر اپنے چچا کے کمرے میں داخل ہوئی اور بولی: "کیا ہے چچا جان؟"

ڈاکٹر جمیل نے کہا: "ابھی مظفر آباد سے ڈاکٹر کمال کا فون آیا ہے کہ وہ مجاہدین جو کئی دنوں سے لاپتہ تھے۔ طویل اور دشوار گذار برفانی راستے طے کرنے کے بعد گلگت پہنچ گئے ہیں۔ ان کے ساتھ انڈیا کے جنگی قیدیوں کی تعداد ۲۰ ہے۔ مجاہدوں میں سے زیادہ آدمی بیمار تھے اور جو بین گھنٹے کی نگہداشت کے بعد وہ رُو بصحت ہو رہے ہیں۔

ان کی گفتگو میں انتہائی دلچسپ بات یہ تھی کہ ہندوستانی قیدیوں کے ساتھ ایک جنوبی ہند کا آدمی بھی تھا جس نے پہلی بار برف گرتی دیکھ کر دہائی دینا شروع کر دی تھی اس کا گلگت پہنچتے ہی پہلا بیان یہ تھا کہ ____ بھارتی حکومت نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ میں مدراس کا باشندہ ہوں اور بھارت کو معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ میں زیادہ سردی برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھے انہوں نے یہ کہہ کر دھوکہ دیا تھا کہ کشمیر کی آب و ہوا بہت اچھی ہے اور تمہاری صحت اتنی اچھی ہو جائے گی کہ تم آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر پہچان نہیں سکو گے۔ میں نے گلگت پہنچتے ہی آئینہ دیکھا تھا تو معلوم ہوا کہ میرا وزن اٹھارہ پونڈ کم ہو جانے کے باعث میری شکل و صورت واقعی بدل گئی ہے۔ میں اپنے باقی بھائیوں سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ جو لوگ کشمیر کی آب و ہوا کی تعریفیں کر کے ہمیں جنگ کے میدان میں بھیج دیتے ہیں، ان کی کم از کم سزا یہ ہے کہ اگر وہ گرفتار ہو جائیں تو انہیں گرفتار ہونے کے بعد بلتستان، گلگت، ہنزہ اور اسکردو کی سیر کرائی جائے میرے بھائیو! میں ساری دنیا کے سامنے دہائی دیتا ہوں کہ ہمارا کشمیر کے ساتھ کوئی

تعلق نہیں ہے۔ کشمیر کی جنگ، ہندوستان کی جنگ نہیں، بلکہ صرف برہمن کی جنگ ہے۔ کشمیر کو اس بات کی ہزائل رہی ہے کہ کسی زمانے میں کشمیر کا ایک برہمن خاندان جس سے نہرو خاندان کا کوئی تعلق تھا کشمیر کی طوفانی سردی سے ٹھٹھرتا ہوا الہ آباد پہنچ گیا تھا۔ ہمیں اس بات پر تعجب نہیں کرنا چاہیئے، جب تک بھارت میں برہمن موجود ہے، ہم پر اس طرح کے ظلم ہوتے رہیں گے۔ بھائیو! مجھے اس بات کا دکھ ہے کہ میں کشمیر کے محاذ پر سینکڑوں بھارتیوں سے ملا تھا۔ جن میں سے بعض نے انعامات بھی حاصل کئے تھے: لیکن اُن میں سے سب میرے جیسے مدراس یوپی یا سی پی کے کالے لوگ تھے، ایک بھی سفید چمڑی والا برہمن نہیں تھا۔"

جمیل کی گفتگو کے دوران فہمیدہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور اس نے کہا: "چچا جان! میں آپ کی باتیں سن چکی ہوں کہ نسرین کے بھائی جان جلد گھر آئیں گے۔ اور وہ مدراسی سپاہی، جس نے اپنے بیان میں برہمنوں کا ذکر کیا ہے۔ یقیناً اپنے سفر کے دوران یوسف صاحب کے زیرِ اثر رہ چکا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اُن کی آئندہ تحریریں برہمن سے نفرت کے باعث پہچانی جائیں گی۔"

ڈاکٹر جمیل نے کہا: "یوسف اپنے وقت سے بہت پہلے دیکھتا ہے۔ اور آنے والے دور میں اس کی باتیں لوگوں کے لئے ایک دائمی صداقت بن جائیں گی۔ میرا دل یہ گواہی دیتا ہے: "اگر یوسف ان مجاہدین کے ساتھ نہ ہوتا تو اس ہندو قیدی کے منہ سے ایسی دلچسپ باتیں نہ نکلتیں۔"

تین دن بعد فہمیدہ، نسرین اور بلقیس خوشگوار دھوپ میں بیٹھی ہوئی تھیں اور اُن کے درمیان ضیاء الدین لیٹا ہوا تھا۔ نسرین اچانک "بھائی جان! بھائی جان!!" کہتی ہوئی گیٹ کی طرف بھاگی۔ جہاں جیپ کھڑی تھی۔ اور تین فوجی افسر بچے

بعد دیگرے یوسف سے مصافحہ کر کے اس سے جدا ہوتے تھے۔ انہوں نے جیپ سے یوسف کا سامان نکال کر باہر رکھ دیا تھا۔

نسرین قریب آکر چند ثانیے تذبذب میں کھڑی رہی اور پھر یوسف سے لپٹ کر بولی: "بھائی جان! میں سوچ میں پڑ گئی تھی کہ آپ شاید کوئی اور ہیں۔ آپا جان دو دن پہلے یہ کہہ رہی تھیں کہ آپ آ رہے ہیں اور مجھے یقین ہو گیا تھا کیونکہ آپ کے متعلق اُن کی ہر بات صحیح ہوتی ہے۔ چچا جان سے پوچھ لیجئے!"

یوسف آگے بڑھا۔ اس نے "السلام علیکم" کہہ کر بچے کے چہرے پر نگاہیں گاڑ دیں۔ پھر اچانک جھکا اور اسے اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا۔

نسرین نے کہا: "بھائی جان! ہمیں یہ اطلاع مل گئی تھی کہ آپ کوئی لمبا سفر کرنے کے بعد گلگت پہنچ گئے ہیں اور آپ بھارت کے جن جنگی قیدیوں کو پکڑ کر لائے تھے، انہیں خوب سیر کرائی ہے۔ جب ہم نے ایک قیدی کا بیان سنا تھا تو سب کا یہی خیال تھا کہ اس پر برہمن کے متعلق آپ کے خیالات کا بڑا اثر ہے۔ بعد میں یہ سب مجھے ڈانٹیں گے کہ میں نے آپ کو دیکھتے ہی کیا واہیات گفتگو شروع کر دی تھی، لیکن اس وقت ان سب کے ذہن میں یہی سوال ہے۔"

یوسف نے کہا: "اگر میرے پاس وہاں ٹیپ ریکارڈر ہوتا تو میں آپ کو بڑی دلچسپ گفتگو سنا سکتا تھا۔ شمبو داس وقت بے وقت میرا دماغ چاٹا کرتا تھا۔ مجھے راولپنڈی پہنچ کر پتہ چلا کہ مظفر آباد میں اس نے رہا ہونے سے پہلے ہمارے ریڈیو کو ایک خصوصی انٹرویو دیا ہے۔ جس میں اس نے برہمنوں کے متعلق وہ تمام باتیں کہہ دی ہیں، جو وہ مجھ سے سنا کرتا تھا۔ جب اسے مظفر آباد بھیجا جا رہا تھا تو اس نے ہاتھ جوڑ کر التجا کی تھی کہ: بھارت میں ابھی تک برہمنوں کی حکومت ہے! بھگوان کے لئے مجھے کہیں اور بھیج دیں وہاں نہ بھیجیں ——— برہمنوں کے ساتھ جو تباہی آیا کرتی

رہی ہے، وہ نہرو خاندان کی موجودگی تک اور اس کے بعد بھی مدت تک آتی رہے گی کیونکہ وہ ایسی فصل کے بیج ہیں جو ہر موسم میں پھل اور پھول دیتے رہیں گے ———"

نوکر نے کرسی لا کر رکھ دی۔ اور یوسف اطمینان سے بیٹھ گیا۔ فہمیدہ نے پوچھا: "ہمارے لئے سب سے اہم سوال یہ ہے کہ آپ راولپنڈی کب پہنچے تھے؟"

"میں پرسوں صبح ہوائی جہاز پہ پہنچا تھا۔ اور راولپنڈی آتے ہی میرا میڈیکل چیک اپ شروع ہو گیا تھا۔"

تھوڑی دیر بعد وہ چائے پی رہے تھے کہ مظفر آباد سے ڈاکٹر کمال الدین کا فون آیا بلقیس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگانے کے بعد کہا: "یوسف! تمہارا فون ہے۔ وہ کہہ رہا ہے کہ کمانڈر نے تمہارے لئے کسی ایوارڈ کی سفارش کی ہے۔"

یوسف نے اٹھ کر ریسیور پکڑ لیا: "آپ کا شکریہ! لیکن مجھے بہت پہلے معلوم ہو گیا تھا۔ اور میں نے کمانڈنگ افسر کو یہ لکھ دیا تھا کہ میں اپنے ساتھیوں میں سے شہباز خان کو بھی انعام کا مستحق سمجھتا ہوں ——— کیا کہا؟ دو اور ساتھیوں کی سفارش کی گئی ہے۔ اگر دوسرے کا نام آفتاب خان ہے تو مجھے اس سے بھی بہت خوشی ہو گی شکریہ! ——— میرے ساتھیوں میں سے کسی سے ملاقات ہو تو اُسے یہ خوشخبری سنا دیجئے گا۔"

"بیٹا! کیا ملا ہے تمہارے ساتھیوں کو اور تمہیں؟" بلقیس نے تنگ سی ہو کر پوچھا۔

"چچی جان! مجھے اور میرے دو ساتھیوں کو شجاعت کے تمغے ملے ہیں۔"

"میں سب سے پہلے تمہاری کارگزاری سننا چاہتی ہوں۔"

"کوئی خاص کارگزاری نہیں تھی، چچی جان۔ چند آدمی بدحواسی کی حالت میں بھاگتے ہوئے آرہے تھے ان میں سے تین جوان جو سب سے آگے تھے: اچانک میرے سامنے آنکلے۔ ایک کی ٹانگ پر میری گولی لگی اور باقی دو نے اپنی رائفلیں پھینک دیں

ان کی دیکھا دیکھی پیچھے آنے والے آٹھ آدمیوں نے بھی ہتھیار پھینک دیئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہمیں چند دھماکے سنائی دیئے اور پھر ہمارے پانچ ساتھی، سولہ ہندوستانیوں کو اپنی رائفلوں اور پستولوں کے ساتھ ہانکتے ہوئے آ رہے تھے۔ اس وقت ہمیں ستائیس قیدیوں کی بجائے ستائیس رائفلوں کی زیادہ خوشی تھی۔ ہمیں شمال کی طرف بھاگنے والے مزید آدمیوں کی اطلاع ملی تو ہم نے ان کا تین دن تک پیچھا کیا اور آخر ان میں سے سات اور کو پکڑ لیا۔ ہم نے واپس مڑنے کی بجائے شمال مغرب کے جنگلات میں اپنی جستجو جاری رکھی۔ دشمن نے ایک جگہ ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن چند گھنٹے مقابلہ کرنے کے بعد وہ تین لاشیں اور چار زخمیوں کو چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ زخمیوں میں سے ایک گلگت تک سفر کے دوران مر گیا تھا اور تین کو ہم نے علاج کے لئے گلگت چھوڑ دیا تھا۔ اگر ان قیدیوں کو گلگت پہنچانے کا مسئلہ نہ ہوتا تو ہمارے متعلق شاید آپ کو یہ اطلاع ملتی کہ ہم چند بڑی کامیابیوں کے بعد جنگ کے کسی اور محاذ پر پہنچ گئے تھے۔"

بلقیس نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا: "بیٹا! مجھے معلوم ہے کہ جب تم مرنے مارنے پر آجاتے ہو تو تمہارے دل میں کسی کا خوف نہیں رہتا۔ لیکن جب تمہیں معلوم تھا کہ گھر میں یہ ننھی سی جان تمہارا انتظار کر رہی ہے، تمہیں پھر بھی واپس لوٹنے کا خیال نہیں آیا؟"

یوسف نے ضیاء الدین کے سر پہ پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: "چچی جان! کسی دن یہ ننھی سی جان بڑا ہو کر آپ کو یہ بتائے گا کہ اس کے ملک کی آزادی کے لئے میں بڑی سے بڑی قربانی دے سکتا تھا۔"

نسرین بولی: "چچی جان، غور سے دیکھیں! ضیاء الدین مسکرا رہا ہے۔"

بلقیس نے کہا: "اپنی شریر خالہ کو دیکھ کر اسے مسکرانے کی عادت سی ہو گئی

ہے۔"

"چچی جان! آپا فہمیدہ کہتی ہیں کہ میری باتوں پر بھائی جان بھی مسکرایا کرتے تھے۔"

فہمیدہ نے کہا: "امی جان کہا کرتی ہیں کہ مسکراہٹیں ہمارے گھر میں نسرین کے ساتھ آئی تھیں۔ نسرین! آؤ، میرے پاس بیٹھ جاؤ۔"

نسرین، فہمیدہ کے ساتھ بیٹھ گئی اور وہ پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرنے لگی۔

یوسف نے کہا: "نسرین! میں سوچا کرتا تھا کہ ضیاء الدین اپنی ننھی اور پیاری خالہ کو دیکھ کر کتنا خوش ہوتا ہو گا۔"

نسرین بولی: "بھائی جان! میں صبح آنکھ کھلتے ہی بھاگ کر ضیاء الدین کو دیکھا کرتی ہوں اور اکثر یہ سوچتی ہوں کہ ضیاء الدین کل کی نسبت آج اور بڑا ہو چکا ہو گا۔ مجھے اس سے اتنی مہک آتی ہے جو دنیا کی کسی چیز میں نہیں۔ میں دعا کیا کرتی ہوں کہ لوگ جس قدر بھائی جان یوسف سے پیار کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ وہ ضیاء الدین سے محبت کریں۔"

بلقیس بولی: "ضیاء الدین سے تو اب بھی زیادہ کرتے ہیں۔"

"چچی جان! میرا مطلب ہے، اب نہیں، جب بڑا ہو جائے گا تو!"

بلقیس بولی: "لڑکیو! تم ضروری بات کرنا ہمیشہ بھول جاتی ہو۔ میں سوچ رہی تھی کہ تمہیں کتنی دیر کے بعد یوسف کو اس کی نئی کتاب "گمشدہ قافلے" پر مبارک باد دینے کا خیال آئے گا؟"

نسرین بولی: "چچی جان! بھائی جان کی نئی کتاب کی اشاعت پر ہم نے مبارکباد کے اتنے خطوط اور پیغامات وصول کئے ہیں۔ کہ ان کا تذکرہ کرنے کیلئے کافی وقت کی ضرورت ہو گی۔"

فہمیدہ بولی: "نسرین درست کہتی ہے۔ رات کھانے پر بیٹھتے ہوئے نسرین اس گفتگو کی ابتدا کرنے اور جس کو جتنا یاد ہے، بتاتا جائے۔"

بلقیس بولی: "بیٹا! میں تمہیں سب سے پہلے مبارک باد دیتی ہوں کہ تمہاری یہ کتاب بہت مقبول ہوئی ہے۔ جمیل سے جب بھی گفتگو ہوتی ہے، وہ دو چار ایسے آدمیوں کا ذکر ضرور کرتا ہے جو آپ کی نئی کتاب "گمشدہ قافلے" دیکھ کر آپ سے متعارف ہوئے ہیں۔ کئی مشہور و معروف لوگوں کے آپ کے نام خطوط بھی آئے ہیں۔"

فہمیدہ بولی: "میں سوچا کرتی تھی کہ کسی دن میں آپ کے بہت سے چاہنے والوں کو خط لکھ کر ایبٹ آباد آنے کی دعوت دوں گی۔ اپنی طرف سے بھی اور آپ کی طرف سے بھی۔"

یوسف بولا: "آج سے چار ماہ تک میں سخت مصروف رہوں گا اور اس کے بعد جب چاہیں، انہیں دعوت دے سکتی ہیں۔"

فہمیدہ بولی: "دیکھ لیجئے، مہمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہو جائے گی۔"

یوسف بولا: "آپ بہت جلد یہ سمجھ جائیں گی کہ میں مہمان کا انتظار کیا کرتا ہوں اور اُن کے ساتھ خوش رہا کرتا ہوں۔"

فہمیدہ بولی: "مجھے یقین ہے کہ صاحبزادہ بھی اسی طرح کا ہوگا۔ جب تک اس کے قریب رونق رہتی ہے اس کا موڈ ٹھیک رہتا ہے۔ لیکن نسرین اور چچی جان اچانک کہیں چلی جائیں تو یہ شور مچاتا ہے اور اگر کوئی متوجہ نہ ہو تو پھر رونے لگ جاتا ہے۔"

یوسف نے کہا: "چچی جان! جب میں نے آپ کو خط لکھا تھا کہ آپ ایبٹ آباد پہنچ جائیں تو مجھے یہ احساس تھا کہ جو مہمان آ رہا ہے اُس کی نگاہیں اس گھر میں چچی جان کو ضرور تلاش کریں گی۔"

بلقیس نے کچھ سوچ کر کہا: "بیٹا! جب بھی تم کوئی ایسی بات کرتے ہو تو مجھے تمہارا یہ فقرہ ضرور یاد آ جاتا ہے کہ: بعض لوگ دنیا میں خوشیاں بانٹنے کے لئے آتے ہیں اور میری دنیا میں سب سے زیادہ خوشیاں تم نے بانٹی ہیں۔ میں ضیاء الدین کو بھی اس لئے سینے سے چمٹائے پھرتی ہوں کہ یہ تمہارا بیٹا ہے۔"

"چچی جان! میں آپ کو یہ یقین دلا سکتا ہوں کہ میرا اور فہمیدہ کا یہ بیٹا ناشکر گزار نہیں ہوگا۔ میں بھی آپ کو بہت یاد کیا کرتا تھا اور جب میں بہت تھک جاتا تھا تو آپ کی یاد سے میرے اندر نئی زندگی آ جاتی تھی۔"

"کل رات تمہارے چچا کا فون آئے گا اور ان سے یہ پوچھ لینا کہ وہ تمہیں کتنا یاد کرتے ہیں!"

"چچی جان! مجھے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ مجھے بہت یاد کرتے ہیں۔"

شدید گرمیوں کے بعد پہلی موسلا دھار بارش سے موسم اچانک خوشگوار ہو گیا تھا۔ ایک دن فہمیدہ اور یوسف ہوا کے خوشگوار جھونکوں کے ساتھ ہلکی سی بوندا باندی دیکھ رہے تھے۔

فہمیدہ نے کہا: "اگر اجازت ہو تو میں کل سے باقاعدہ آپ کا نیا مسودہ پڑھنا شروع کر دوں؟"

یوسف نے کہا: "اس کتاب کا اہم ترین حصہ مکمل کرنے کے لئے مجھے کوئی تیس چالیس صفحات اور لکھنے پڑیں گے اور یہ کام دو تین دن تک ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد جب چاہیں پڑھنا شروع کر دیں۔ لیکن اس کے متعلق ہماری گفتگو

اس وقت شروع ہوگی جب میں اسے ختم کر دوں گا۔"

"جی! مجھے یہ معلوم ہے کہ جب تک آپ کی پوری کتاب سامنے نہ آجائے تو آپ مجھے کسی مسئلے پر بحث نہیں کرنے دیتے۔"

"بھئی، اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں تمہاری بحث سے لطف اندوز نہیں ہوتا لیکن لکھنے کے موڈ پر اس سے ضرور اثر پڑتا ہے۔"

"جی مجھے یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ جب آپ موڈ میں نہ ہوں تو کسی کے ساتھ بھی گفتگو کرنا پسند نہیں کرتے۔"

"صرف کتاب کے متعلق، ہر بات پر نہیں۔"

"جی، آپ کسی بات پر بھی گفتگو کرنا پسند نہیں فرماتے۔"

"بھئی، یہ تو بڑی زیادتی ہے۔ آپ کو اچھی طرح یاد ہے کہ میں کسی بات پر بھی آپ سے ناراض نہیں ہوتا۔"

"جی، مجھے یہ تھوڑی سی دیر کے لئے یاد رہتا ہے۔ پھر میں بھول جاتی ہوں۔ کوئی مسودہ میں نے دیکھ لیا تھا۔ اس لئے میں بڑی بے چینی سے انتظار کر رہی ہوں کہ یہ ختم ہو اور ہم اطمینان سے اس کے متعلق باتیں کریں۔"

یوسف بولا: "فہمیدہ! میں اطمینان سے باتیں کرنے کے لئے اتنی دیر انتظار نہیں کر سکتا۔ [illegible] ایک کتاب ختم ہوگئی تو دوسری شروع ہو جائے گی۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ مجھے کتاب شروع کرنے سے پہلے اس کا سارا پلان آپ کو بتا دینا چاہیئے تاکہ آپ کے دل میں کوئی الجھن نہ رہے۔"

"ایسا تو میں کبھی بھی نہیں سوچ سکتی۔ میں یہ جانتی ہوں کہ جو کتاب آپ شروع کرتے ہیں اس کا پورا ڈھانچہ آپ کے ذہن میں موجود ہوتا ہے اور اس کے تمام اجزا اس قدر مربوط ہوتے ہیں کہ ان میں مشکل سے کوئی ترمیم ہو سکتی ہے۔ میں یہ بھی جانتی ہوں

کہ کوئی دوسرا آپ سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ کتاب کے فلاں فلاں حصے اس طرح بدل دیں اور باقی حصوں کو اسی طرح رہنے دیں۔ کوئی بڑے سے بڑا دماغ رکھنے والا اگر کوئی ایسی بات کہے تو میں اس سے لڑ پڑوں گی۔ کیونکہ ناول نگاری آپ نے کسی سے سیکھی نہیں بلکہ یہ ایک عطیہ خداوندی ہے۔ پڑھتے وقت کوئی یہ تو سوچ سکتا ہے کہ آپ کے ناول کے اگلے حصوں میں کیا تبدیلی ممکن ہے۔ لیکن کوئی یہ وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ آپ کا ذہن ایک کارخانہ ہے جو ہمہ وقت کہانیوں کے ڈھانچے تیار کرنے میں مصروف رہتا ہے اور جب کوئی ڈھانچہ تیار ہو جاتا ہے۔ تو آپ اطمینان سے اس میں رنگ بھر دیتے ہیں۔"

"میں اللہ کا شکر کرتا ہوں کہ مجھ سے کوئی کام لیا جا رہا ہے۔ اور میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ مجھے اپنے کام سے اس کی خوشنودی حاصل ہو۔ میری دنیا میں کتنے قافلے کسی منزل کی طرف قدم اٹھانے کے لئے میری آواز کے منتظر ہیں۔ کتنے انسانوں کے دلوں کی باتیں ہیں جو میں پوری دنیا کو سنا سکتا ہوں۔ فہمیدہ! جب مجھے لکھتے وقت بھوک، تھکاوٹ اور نیند کا احساس تک نہیں رہتا تو بھی میں محسوس کرتا ہوں کہ میں جس عظیم دریا کے کنارے کھڑا ہوں اس کی موجیں بھی میری ہیں اور طوفان بھی میرے ہیں۔ اور وہ دلفریب جزیرے جو حدِ نگاہ تک پھیلے ہوتے ہیں۔ وہ بھی میرے ہیں۔ میں جہاں چاہوں جا سکتا ہوں۔ میرے دل میں کسی بھنور کا خوف نہیں ہوتا۔

فہمیدہ! کبھی کبھی میں احساس و شعور کی حدود سے بہت دور نکل جاتا ہوں لیکن جس طرح ایک پرندہ فضائے نیلگوں میں گم ہو جانے کے بعد اپنے نشیمن کی طرف واپس آجاتا ہے تو میں بھی واپس آجاتا ہوں۔ میرے ذہن پر اُن بے شمار گمشدہ قافلوں کا دھندلا سا عکس رہ جاتا ہے جو اس زمین پر اپنی آزادی اور بقاء کے راستے تلاش کر رہے ہیں۔

فہمیدہ! میں خواب دیکھا کرتا ہوں۔ انجانی اور ان دیکھی بستیوں کے خواب۔ جن کے گرد بھیانک عفریت گھیرے ڈال رہے ہیں۔ میں ان بہنوں اور بچیوں کی دلخراش چیخیں سنا کرتا ہوں، جنہیں وہ خوفناک اژدھا ہڑپ کرنا چاہتے ہیں جو موقع کے انتظار میں صدیوں سے کنڈلی مار کر بیٹھے ہوئے تھے۔

ہم جس راستے پر سفر کر رہے ہیں۔ اس کی دشواریاں اور ہولناکیاں ہماری میراث ہیں۔ اگر میں نے کسی سوئے ہوئے قافلے کو بروقت بیدار کر دیا ہے اور میری قوم یہ احساس لے کر آگے بڑھ رہی ہے کہ یہ اژدھا پہلے بھی گذر چکے ہیں ہم اس سے خوف نہیں کھاتے، تو میں سمجھوں گا کہ میں نے ایک بڑا فرض ادا کر دیا ہے۔

مجھے یہ پریشانی نہیں کہ یہ وقت کیسا ہے۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ وقت جلتے ہوئے قافلوں کا عزمِ سفر زندہ رکھنے اور انہیں راستے کے ہر پتھر کو پیس کر آگے بڑھنے میں مدد دیتا ہے۔

میں بہت چھوٹا تھا، جب میں نے اپنے پروردگار سے یہ عہد کیا تھا کہ میں اسلام کا پرچم سرنگوں نہیں ہونے دوں گا اور اس عہد پر میں ہمیشہ قائم رہوں گا۔"

فہمیدہ نے کہا: "یوسف! اس پرچم کو بلند رکھنے میں مَیں آپ کے ساتھ ہوں اور یہ ننھا سا سپاہی بھی کسی دن ہمارے ساتھ ہوگا۔ اگر یہ آپ کے نقشِ قدم پر چلا اور اللہ نے اس کے لئے میری دعائیں قبول فرمائیں تو اس کے آہنی ہاتھ کسی دن اس اژدھا کے جبڑے چیر ڈالیں گے، جسے آپ مسلمانوں کے مستقبل کے لئے سب سے بڑا خطرہ سمجھتے ہیں۔ آپ کی تحریروں سے اب صرف برصغیر ہی میں نہیں پوری دنیا کے لوگ برہمنی سامراج کے کالے بھوت کو پہچاننے لگ گئے ہیں۔"

یوسف نے کہا: "ایشیا میں اس وقت تک امن نہیں آسکتا۔ جب تک کہ اس کالے بھوت کا طلسم ٹوٹ نہیں جاتا۔ اس دنیا میں انسانوں پر خدائی کی خواہش کبھی

نازیوں اور کبھی فاشسٹوں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے لیکن جبر و استبداد کا یہ عفریت جس نے برہمنی سامراج کی کوکھ سے جنم لیا ہے، اس قدر خوفناک اور مہلک ہے کہ اگر اس کے جراثیم ختم نہ کئے گئے تو دنیا کو صدیوں تک امن اور چین نصیب نہیں ہوگا۔ اس بات کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ ہم مشرقی پنجاب میں سکھوں کے مظالم کی باتیں کیا کرتے تھے۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ اب آہستہ آہستہ ہندوؤں کے ہاتھ سکھوں کی گردن کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جب وہ دبوچ لئے جائیں گے تو ان کے منہ سے چیخ بھی نہیں نکل سکے گی۔ ہندو جب انہیں مسلمانوں کا خون بہانے کے لئے میدان میں لے آتے تھے تو ماسٹر تارا سنگھ کی کرپان سے اُن کے مستقبل کی تاریخ کے نئے عنوان بھی لکھے جا رہے تھے۔ آہ! شاہراہِ حیات کے کتنے قافلے نفرتوں کی اس آگ کے الاؤ میں جل گئے اور کتنی چیخیں ہیں جو فضاء کی ان وسعتوں میں گم ہو چکی ہیں۔ اگر اس وقت کسی کو اس بات کا یقین نہیں آتا کہ برہمنی سامراج کا آخری دن بھی معین ہو چکا ہے تو اسے ماضی کی جلی ہوئی بستیوں اور بوسیدہ ہڈیوں سے ان ارواح کی فریاد سننی چاہیئے جو صدیوں سے انتقام! انتقام!! پکار رہی ہیں۔"

جنوری کے دن تھے۔ یوسف کھڑکی کے قریب بیٹھا کچھ لکھنے میں مصروف تھا کہ فہمیدہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اور اُس نے پوچھا: "آپ چچا جان کا انتظار کریں گے یا مَیں صرف آپ کا کھانا لے آؤں؟"

"بیگم صاحبہ! ابھی کھانے کا وقت نہیں ہوا۔"

فہمیدہ مسکراتی ہوئی دوسری کرسی پر اس کے سامنے بیٹھ گئی اور بولی: جی آج سردی بہت ہے اور نوکر کہتا تھا: "ایسے لگتا ہے کہ برف باری کسی وقت بھی شروع ہوسکتی ہے۔" اور آپ نے مجھے بتایا تھا کہ سردیوں میں بھوک بہت لگتی ہے۔"

"یہ کب کہا تھا میں نے ؟"

"جناب! جب آپ مجھے اپنے گاؤں سے لاہور چھوڑنے گئے تھے تو امرتسر کے ریلوے اسٹیشن پر آپ نے یہ بات کہی تھی، مجھے آپ کی ہر بات ہمیشہ یاد رہتی ہے۔"

یوسف نے کہا: "یہ بات میں نے کھانے کے وقت ہی کہی ہوگی!"

"جی نہیں! ابھی گیارہ نہیں بجے تھے کہ آپ مجھ سے یہ بات منوانے پر مصر تھے کہ مجھے بھی بھوک محسوس ہو رہی ہے ——— اب ایبٹ آباد میں بھی میرے متعلق آپ کو یہی پریشانی رہتی ہے کہ میں بھوکی رہتی ہوں۔ چچا جمیل ہمیشہ یہ کہا کرتے ہیں کہ میری صحت یہاں آکر بہت اچھی ہوگئی ہے۔ اب موٹاپے سے بچنے کے لئے مجھے بہت سیر کرنی چاہیئے۔ نسرین نے تو ان کی باتوں سے متاثر ہو کر ورزش بھی شروع کر دی ہے۔"

یوسف نے کہا: "میرا خیال تھا کہ نئی کتاب ختم کرنے کے بعد میں تمہارے ساتھ صبح و شام لمبی سیر پر نکل جایا کروں گا۔ لیکن قارئین کے اتنے خطوط جمع ہو گئے تھے کہ میں ان کے جواب لکھنے میں مصروف ہو گیا اور اب یہ آخری خط ہے جس کا میں جواب لکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد ہم چند دن کے لئے لاہور اور لائل پور جائیں گے! اباجان اپنی تکلیف کسی پر ظاہر نہیں کیا کرتے، لیکن مجھے ان کے خط سے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں اُن کی صحت ٹھیک نہیں ہے۔ مجھے بعض رشتہ داروں سے ملاقات کے لئے ملتان اور بہاول پور بھی جانا پڑے گا اور اس کے بعد جب ہم واپس آئیں گے تو یہاں کا موسم خاصا خوشگوار ہو چکا ہوگا۔ اگر اباجان ایبٹ آباد آنے پر رضا مند ہو گئے تو مجھے علیحدہ مکان لینے کے لئے ایک معقول بہانہ مل جائے گا۔"

فہمیدہ بولی: "علیحدہ مکان لینے کے لئے آسان ترین بہانہ تو یہ بھی ہے کہ ہم

چچا جمیل کو کسی اچھی سی لڑکی سے شادی کرنے پر رضامند کر لیں۔"

یوسف نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: "میرا خیال ہے کہ اس معاملے میں آپ اور نسرین کی پسند بہتر ہوگی۔"

نسرین کمرے میں داخل ہوئی تو فہمیدہ نے کہا: "دیکھو نسرین، تمہارے بھائی جان نے تمہارے چچا جان کے لئے ایک خوب صورت سی لڑکی تلاش کرنے کی ذمہ داری تمہیں سونپ دی ہے۔ یوسف صاحب یہ کہتے ہیں کہ تمہاری پسند، میری پسند سے بہتر ہوگی۔"

نسرین نے بلا توقف جواب دیا: "بھائی جان! آپ نے جسے پسند کیا ہے وہ اس دنیا میں کسی سے کم تو نہیں۔"

یوسف نے نسرین کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

"بھئی میری خوش قسمتی یہ تھی کہ میں نے اپنی آنکھوں کی بجائے تمہاری آنکھوں سے تمہاری باجی کو دیکھ لیا تھا۔"

"بھائی جان، یہ تو نہیں ہوگا کہ میں چچا جان کے لئے کسی کو پسند کروں اور آپ یا آپا جان میری حمایت نہ کریں۔"

"بھئی میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ ایسا نہیں ہوگا۔"

"بھائی جان! آپ کہتے تھے کہ نئی کتاب ایک دو دن شائع ہو جائے گی۔"

یوسف بولا: "میں اب ڈاک کا انتظار کر رہا ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ پبلشر صاحب کتابوں کا بنڈل یا تو اپنے کسی ملازم کے ہاتھ بھیج دیں گے۔ یا انہیں وہ بذریعہ ریلوے آؤٹ ایجنسی یہاں ارسال کر دیں گے۔"

نسرین نے کھڑکی کے شیشے سے باہر جھانکتے ہوئے کہا: "بھائی جان! دیکھئے! برف گر رہی ہے۔ اگر برف بہت زیادہ پڑی تو کتابیں پہنچنے میں دیر تو نہیں لگ جائیگی؟"

"بالکل نہیں۔"

بیرا ایک بنڈل اٹھائے کمرے میں داخل ہوا۔ اور اس نے کہا:

"جناب! یہ کتابوں والے دکاندار نے بھیجا ہے۔ اور ان کا نوکر کہتا ہے کہ شیخ صاحب آپ کو مبارک باد دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کل تک آپ کی کتاب کے پوسٹر بھی ہر جگہ لگا دیئے جائیں گے۔"

نسرین نے جلدی سے بنڈل پکڑ لیا اور بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

ایک منٹ بعد فہمیدہ اور یوسف بھی اسی کمرے میں داخل ہوئے تو نسرین بنڈل سے ایک بڑے سائز کا پوسٹر نکال کر دیکھ رہی تھی اور اس کا چہرہ مسرت سے لبریز تھا:

"آپا جان! یہ دیکھیئے" اس نے ایک پوسٹر فہمیدہ کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے کہا: "بھائی جان کی تصویر کتنی اچھی لگتی ہے!"

فہمیدہ نے پوسٹر پڑھنا شروع کر دیا۔ اوپر جلی حروف میں کتاب کا نام لکھا ہوا تھا، بائیں جانب کاغذ کے ایک تہائی حصے پر یوسف کی تصویر تھی اور دائیں جانب چند سطور اس طرح لکھی ہوئی تھیں:

ماؤنٹ بیٹن اور ریڈکلف ایوارڈ کی سازش

—— ان گمشدہ قافلوں کی دردناک داستان ہے جو ہوشیار پور، کانگڑہ اور ان سے ملحق ریاستوں سے گورداسپور کی طرف روانہ ہوئے۔

لیکن ——

راستے کے ندی نالوں اور دریاؤں میں وہ ایسے گم ہوئے کہ آج تک ان کا کہیں سراغ نہیں مل سکا اور ——

در اصل یہی وہ سازش تھی جو انگریز نے کمال چالاکی سے تیار کی اور جسے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے نہایت خوب صورتی سے عملی جامہ پہنایا۔

—— ——

فہمیدہ نے بنڈل سے ایک کتاب نکال کر آنکھوں سے لگانے کے بعد نسرین کی طرف دیکھا اور آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا: "نسرین! تمہیں بہت خوش ہونا چاہیئے۔ اس دن کے لئے تمہارے بھائی جان نے بہت دکھ اٹھائے ہیں۔"

"آپا جان! جب مجھے دنیا کا کوئی ہوش نہیں تھا تو بھی مجھے اس بات کا یقین تھا کہ یہ دن ضرور آئے گا اور اب تو میں اس دن کا انتظار کر رہی ہوں جب میں کسی بہت بلند پہاڑ پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کروں گی کہ میرے بھائی جان سے بہتر کوئی نہیں لکھ سکتا۔"

"فہمیدہ! دیکھا تم نے میں کتنا خوش نصیب ہوں اور —— کبھی کبھی تو میں یہ سوچتا ہوں کہ جب میں بوڑھا ہو جاؤں گا تو بچوں کے لئے کتابیں لکھا کروں گا اور ان کتابوں میں بار بار نسرین جیسی ایک ذہین بچی کا ذکر ضرور آیا کرے گا۔"

نسرین بولی: "آپا جان! جب تک چچا جان نہیں آتے، میں اپنے کمرے میں جا کر کتاب پڑھتی ہوں۔ آپ بھائی جان سے باتیں کریں۔"

اور یہ کہتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔ کمرے میں داخل ہونے سے قبل اس نے ایک بار مڑ کر اپنے بھائی یوسف کی طرف دیکھا اور پھر دروازے کی اوٹ میں چلی گئی۔

"کتنی بے قرار روح ہے!" یوسف بولا: "فہمیدہ! تمہاری بہن تو اس کتاب کو چٹ کر جانا چاہتی ہے۔"

"وہ اپنے بھائی جان کی شیدائی ہے۔ اور آپ کی تحریر پر تو جان دیتی ہے": فہمیدہ بولی: "کتنی دیر سے اسے اس کتاب کا انتظار تھا —— اور یہ انتظار آپ ہی کی وجہ سے تو تھا۔"

فروری کے آخری دن تھے، خوب بارش ہوئی۔ اور کبھی کبھی برف بھی گرتی رہی لیکن ۲۶ فروری کے بعد آسمان صاف ہوگیا۔ یوسف، فہمیدہ، نسرین اور ڈاکٹر جمیل فیصل آباد سے چند میل دور ایک گاؤں کی کشادہ حویلی میں میاں عبدالرحیم کی تیمارداری کر رہے تھے۔ یوسف، فہمیدہ اور گھرانے کے چند افراد صحن کی دھوپ میں عبدالرحیم کے بستر کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ یوسف کی تینوں کتابیں عبدالرحیم کے سامنے پڑی تھیں اور وہ کہہ رہے تھے: "بیٹا! جلدی جلدی کتاب ختم کیا کرو۔ جب تمہاری کتاب ختم ہو جاتی ہے۔ تو میرے لئے دلچسپی کی اور کوئی چیز نہیں رہتی۔ میری وجہ سے تمہارا بہت سا وقت ضائع ہوا ہے۔ ورنہ اب تک تمہاری پانچ چھ کتابیں اور شائع ہو چکی ہوتیں۔"

یوسف نے کہا: "اباجان! ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ ہم یہاں رہ کر آپ کی خدمت کرتے۔ لیکن یہاں رہ کر کچھ لکھنا پڑھنا میرے لئے ممکن نہ تھا۔ اس لئے میں یہاں سے دور چلا گیا ہوں۔"

عبدالرحیم نے کہا: "بیٹا! یہ تم نے بہت اچھا کیا ہے۔ تم ایبٹ آباد رہ کر اس خاندان کی زیادہ خدمت کر سکتے ہو۔ تمہاری وجہ سے اب ضلع کے بڑے بڑے افسر خود ہمارے پاس آتے ہیں۔ بیٹی فہمیدہ! تمہاری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ یوسف کو بہت سی الجھنوں سے دور رکھا جائے تاکہ یہ اطمینان سے اپنا کام کرتا رہے۔"

"اباجی! میری طرف سے ان کو کوئی الجھن پیش نہیں آئے گی۔ چچا عبدالعزیز کہتے تھے کہ میں خود بھی اس گاؤں میں رہنے والوں کا خیال رکھوں گا اور انشاءاللہ! انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ اباجی! ایک ماہ تک ایبٹ آباد کا موسم بہت اچھا ہو جائے گا اور ہم کسی اچھے سے مکان کا بندوبست ہوتے ہی آپ کو وہاں لے جائیں گے۔"

"بیٹا! میں ضرور آؤں گا تمہارے پاس اور جب پہاڑوں کی سیر کروں گا تو انشاءاللہ! میری صحت بھی بہت اچھی ہو جائے گی۔"

"اباجی! جب بچوں کی تعلیم کا بندوبست ایبٹ آباد میں ہو جائے گا تو میں انہیں بھی ایبٹ آباد لے جاؤں گا۔"

عبدالرحیم نے غور سے یوسف کی طرف دیکھا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"بیٹا! مجھے تمہاری بہت سی باتوں پر فخر ہے۔ لیکن یہ تم نے کیسے سمجھ لیا کہ میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ جن باتوں پر تم نے پردہ ڈال رکھا تھا وہ مجھے چراغ بی بی نے خود ہی بتادی تھیں۔ اور اس روز بتائی تھیں۔ جب سے معلوم ہوا تھا کہ تم قافلے کو چھوڑ کر گاؤں واپس چلے گئے ہو۔ وہ اس بات پر رو رہی تھی کہ شاید تم وہاں سے کبھی بھی واپس نہ آؤ اور پھر وہ باتیں جنہیں وہ مرتے دم تک چھپانا چاہتی تھی۔ اس کے منہ سے خود بخود نکلنے لگیں۔ بیٹا! میں دیر سے محسوس کیا کرتا تھا کہ تمہارے دل پر بہت بڑا بوجھ ہے۔ کبھی مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہمارے درمیان کوئی دیوار آگئی ہے۔ میں تم پر بہت خوش ہوں اور تمہارے لئے بہت دعائیں کرتا ہوں، لیکن ہم کمزور انسانوں کو اس دنیا میں فرشتے بن کر دکھانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ بہرحال تم اس امتحان سے سرخرو ہو کر نکلے ہو اور میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں۔ ایسی نیکیوں کا اجر صرف اللہ ہی دے سکتا ہے۔"

یوسف نے کہا: "اباجی! اگر آپ اجازت دیں تو میں آج واپس چلا جاؤں۔ کیونکہ میں نئی کتاب شروع کر چکا ہوں۔"

"اچھا! جاؤ بیٹے! خدا تمہیں کامیابی دے۔"

یوسف اور فہمیدہ نے باری باری اُٹھ کر اپنے سر جھکا دیئے اور عبدالرحیم نے اُن دونوں کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے خدا حافظ کہا۔

وہ وہاں سے نکلے تو چراغ بی بی سامنے کھڑی تھی۔ وہ اُس کی طرف بڑھے اور یوسف نے کہا: "امی جان! اپنی بہو کے لئے دعا کریں اور ہمیں اجازت دیں۔"

چراغ بی بی نے فہمیدہ کو گلے لگا کر سسکیاں لیتے ہوئے کہا "بیٹی! خدا تم پر موتیوں کی بارش کرے اور یوسف کا نام رہتی دنیا تک زندہ رکھے ـــــ یوسف! میرے والدین اور ان کے پیر کے متعلق تم نے سُن لیا ہوگا کہ وہ اپنے گاؤں سے امرتسر کی طرف بھاگے تھے لیکن راستے میں مارے گئے ـــــ پیر کوکے شاہ اور اس کا ایک ساتھی پہلے مارا گیا تھا اور باقی بھی مارے جا چکے ہیں۔ برائی کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکلا۔"

یوسف نے کہا: "یہ سبق ہم نے بہت دیر کے بعد سیکھا ہے۔ اب آپ صبر اور حوصلے سے کام لینے کے سوا کچھ نہیں کر سکتیں۔"

جب یوسف اور فہمیدہ موٹر پر سوار ہو کر لاہور کا رخ کر رہے تھے، تو چراغ بی بی سربسجود ہو کر یہ دعا مانگ رہی تھی:

"یا اللہ! یوسف کو اپنی زندگی کے ہر سانس کے ساتھ ایک نئی کامیابی عطا فرمائیو اور فہمیدہ کی جھولی خوشیوں سے بھر دیجیو، اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو مجھ جیسی گناہگار کیسے سمجھ سکتی تھی کہ تیری دنیا میں فرشتے بھی ہوتے ہیں۔"

عنبرین

ایک دن یوسف ایبٹ آباد میں ایک لمبی سیر کے بعد گھر آیا تو برآمدے میں فہمیدہ اور نسرین کے ساتھ دو اجنبی خواتین دھوپ میں بیٹھی ہوئی تھیں وہ ایک لمحہ کے لئے ٹھٹکا اور پھر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ نسرین نے آواز دی:

"بھائی جان! آپ کے مہمان آئے ہوئے ہیں۔"

یوسف باہر نکل کر جھجکتا ہوا آگے بڑھا اور ایک معمر خاتون اور ایک نوجوان لڑکی اٹھ کر کھڑی ہوگئیں۔ یوسف السلام علیکم کہہ کر تذبذب کی حالت میں فہمیدہ کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بولی:

"یہ محترمہ بیگم رابعہ عزیز ہیں اور یہ ان کی صاحبزادی عنبرین ہیں اور کافی دیر سے آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔"

یوسف نے کہا: "معاف کیجئے! میں نے آج اپنی سیر معمول سے زیادہ لمبی کر دی تھی اور واپسی پر راستے میں مجھے دو پروفیسر مل گئے تھے۔"

عنبرین بولی: "جناب! اگر انہوں نے بھی آپ کی وہ کتابیں پڑھ لی تھیں جو ہم پڑھ چکے ہیں تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ انہوں نے آپ کو کافی دیر روکا ہوگا۔"

یوسف مسکرایا۔ "نہیں، انہوں نے میرا زیادہ وقت نہیں لیا تھا لیکن وہ کسی چھٹی

کے دن طویل ملاقات کے لئے میرے پاس ضرور آئیں گے۔"

عنبرین بولی! "مجھے ایک کتاب پر آپ کے آٹوگراف لینے کے بہانے یہاں آنے کا موقع ملا تھا اور آپ کی بیگم صاحبہ سے ملاقات کے بعد میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ مجھے یہاں آنے کے لئے کسی بہانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یوسف صاحب! میرے اباجی، امی اور میں نے گزشتہ تین دنوں میں آپ کی کتاب پڑھنے کے سوا اور کوئی کام نہیں کیا۔ مجھے تو بار بار ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں خود ایک "گمشدہ قافلے" کے ساتھ سفر کر رہی ہوں۔ گزشتہ شام اباجی نے یہ بتایا کہ اس کتاب کے عظیم مصنف ہمارے پڑوس میں رہتے ہیں۔ آپ کو دیکھنے کا بہت اشتیاق تھا لیکن اس وقت ہم اس مقصد سے آئے ہیں کہ آپ سب اتوار کو ہمارے ہاں کھانا کھائیں۔ اباجی کو آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق ہے۔ اگر اُن کے گھٹنوں میں درد نہ ہوتا تو وہ ہمارے ساتھ آتے ہم اتوار کی شام آپ کے پاس اپنا ڈرائیور بھیج دیں گے۔ آپ چائے بھی وہیں پئیں اور پھر کھانا بھی وہیں کھائیں۔ بیگم صاحبہ کی عزت افزائی کے لئے چند معزز خواتین ہمارے گھر میں موجود ہوں گی۔ آپ کو یہ سُن کر خوشی ہوگی کہ جو خواتین آپ کی کتابوں سے دلچسپی رکھتی ہیں۔ ان میں سے اکثر یہ سمجھتی ہیں کہ آپ کے ہر ناول کی ہیروئن بیگم فہمیدہ صاحبہ ہوتی ہیں اور آج انہیں دیکھ کر مجھے یہ یقین ہوگیا ہے۔ کہ ان کا یہ خیال غلط نہیں ہے۔"

یوسف نے فہمیدہ کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "فہمیدہ میرے جس ناول کی ہیروئن ہوگی۔ اس کا آپ کو کئی برس انتظار کرنا پڑے گا۔ ابھی ہمارا سفر شروع ہو رہا ہے اور ہماری اپنی داستانیں بڑھاپے کی منزل میں قدم رکھنے سے پہلے نہیں لکھی جائیں گی۔"

رابعہ عزیزہ بولیں۔ "بیٹا! ہم تو صبح و شام یہی دعا کیا کریں گے کہ آپ کبھی بوڑھے

نہ ہوں۔ داستان لکھنے کے لئے بوڑھا ہونے کی شرط ہمیں منظور نہیں۔ ہم جب کوئی اچھی داستان سنا کریں گے تو اسے آپ سے منسوب کر دیا کریں گے۔"

نسرین نے عنبرین سے پوچھا: "آپا جان! آپ کے اباجان کون سے محکمے میں ہیں؟"

عنبرین نے جواب دیا۔ "وہ ایک کالج کے ریٹائرڈ پرنسپل ہیں۔ یہاں ہماری کچھ زمین اور ایک سیب کا باغ ہے۔ سیب کے باغ میں ہماری دو کوٹھیاں ہیں۔ جن میں سے ایک میں ہم رہتے ہیں۔ اچھا، اب ہم اجازت لیتے ہیں۔"

فہمیدہ نے کہا۔ "یہ تو اب نہیں ہو سکتا۔ کھانے کے وقت ہم کسی مہمان کو گھر سے رخصت نہیں کیا کرتے۔ اور چچا جان جب آ کر یہ سنیں گے کہ ان کی غیر حاضری میں مہمان آئے تھے اور کھانے سے چند منٹ پہلے اُٹھ کر چلے گئے تھے تو وہ بہت برا مانیں گے۔"

رابعہ عزیزہ نے پوچھا۔ "بیٹی! ڈاکٹر جمیل آپ کے چچا ہیں؟"

نسرین بولی۔ "جی! ہم دونوں کے چچا ہیں۔"

"بیٹی! تمہارے چچا والی بات تو سمجھ میں آسکتی ہے۔ لیکن فہمیدہ کے چچا کو تو ذرا بڑی عمر کا ہونا چاہیئے تھا۔"

فہمیدہ بولی! "جی، جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے۔ چچا جان اسی طرح نظر آتے ہیں۔ ویسے ہماری عمروں میں بھی بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔"

نسرین نے گیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ آ گئے چچا جان" اور پھر صحن کے درمیان جمیل کو روکتے ہوئے بولی۔ "چچا جان! چچا جان!! آپ کے مہمان آئے ہیں بہت ہی خاص مہمان۔ شکر ہے کہ ہم نے انہیں جانے نہیں دیا۔ وہ کھانا یہیں کھائیں گے۔ بڑے اچھے لوگ ہیں۔ اتوار کی شام کو انہوں نے ہمیں اپنے گھر دعوت

دی ہے۔ آپ کوئی اور پروگرام نہ بنا لیں۔"

جمیل آگے بڑھا اور السلام علیکم کہہ کر ان کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

فہمیدہ بولی۔ "چچا جان! یہ بیگم رابعہ عزیز ہیں اور یہ ان کی صاحبزادی عنبرین ہیں عنبرین صاحبہ بی۔اے کر چکی ہیں اور اگلے سال ایم۔اے کا امتحان دے رہی ہیں آپ یوسف صاحب کو اس بات کی مبارک باد دے سکتے ہیں کہ یہ سب ان کے نئے قدر دانوں میں سے ہیں۔ انھیں کل ہی معلوم ہوا تھا کہ ہم یہاں رہتے ہیں اور آج یہ آپ کو دعوت دینے کے لئے تشریف لے آئی ہیں۔"

جمیل نے مسکراتے ہوئے کہا: "بھئی، نسرین مجھے اتنا کچھ بتا چکی ہے کہ آپ کو یاد کرنے میں چند منٹ اور لگ جائیں گے۔ اب کھانا لگوائیے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ اطمینان سے کھانا کھا رہے تھے۔ گفتگو کا موضوع یوسف کی نئی کتاب تھا۔ عنبرین بولی: "کالج کی ایک لیکچرار ہمارے ہاں آئی تھی اور یہ کہتی تھی کہ یوسف صاحب کی تمام تصانیف ہمارے اردو ادب میں ایک نیا اضافہ ہیں۔ اور ان کی نئی کتاب پڑھنے کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کا ہر قدم نئی بلندیوں کی طرف اٹھ رہا ہے۔ ہمارے نام نہاد ترقی پسندوں کے سوا بعض نقادوں نے انہیں بہت داد دی ہے۔"

یوسف نے کہا: "محترمہ! میرے اہم ترین تین نقاد یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ پہلی نسرین، دوسری نسرین کی آپا اور تیسرے ان کے چچا جان جمیل صاحب اور میں اُن کی رائے کو ہر نقاد کی رائے پر ترجیح دیتا ہوں۔"

"پھر تو جی، یہ بہت اچھا ہے۔ ہماری دعوت کا مقصد بھی یہی تھا کہ یہاں کے لوگ بالخصوص خواتین، آپ کو جاننے اور سمجھنے والوں کے خیالات سنیں اور میں نہیں

سمجھتی کہ آپ جیسی ذہین بیوی سے زیادہ کوئی اپنے شوہر کے متعلق بہتر کہہ سکتی ہے۔"

فہمیدہ مسکرائی۔ "جی مجھے ڈر ہے کہ ان کے متعلق آپ کو میری ہر بات ناقابلِ یقین محسوس ہوگی۔"

"جی نہیں، جو لوگ آپ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں وہ آپ کی کسی بات پر شک نہیں کریں گے۔ ہمارا خیال تھا کہ کالج کی پرنسپل خواتین کے سامنے یوسف صاحب کے متعلق کوئی تقریر کریں گی۔ اب مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ خواتین کے ایک چھوٹے سے اجتماع کے لئے ہمیں ایک بہترین مقرر مل جائے گی۔"

اتوار کے روز عظیم صاحب ایبٹ آباد کے کوئی بائیس چیدہ چیدہ آدمیوں کے ساتھ ایک کشادہ کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مکان کے سامنے ایک طویل و عریض برآمدہ اور اس کے پیچھے وسیع ڈرائینگ روم خواتین سے بھرا پڑا تھا۔ کئی لڑکیاں جنہیں وہاں بیٹھنے کی جگہ نہیں ملی تھی پچھلی کھڑکیوں سے اندر جھانک رہی تھیں۔ عنبرین اٹھ کر مہمانوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے بولی: "معزز خواتین اور میری بہنو! آپ کو یہاں آنے کی تکلیف دینے کا مقصد اس کامیاب مصنف کو خراجِ تحسین پیش کرنا ہے۔ جو اِن دنوں ہمارے شہر میں مقیم ہے۔ آپ نے جناب محمد یوسف صاحب کی ابتدائی دو کتابیں پڑھی ہوں گی۔ چند دن قبل میرے ابا جان شہر گئے اور ان کی نئی کتاب خرید لائے۔ ابا جان کی عادت ہے کہ جب تک وہ خود نہ پڑھ لیں وہ کتاب کسی کو نہیں دیا کرتے۔ میں نے نوکر کو بازار بھیج کر یہ کتاب منگوالی۔ اب امی جان کا حال سنئیے۔ جب میں اور ابا جی اپنے اپنے کمرے میں رات کے وقت کتابیں پڑھ رہے تھے تو انہوں نے اسی وقت نوکر کو حکم دیا "تم فوراً بازار جاؤ اور اگر کتب

فروش کی دوکان کھلی ہو تو یہ ناول لیتے آؤ۔ ورنہ اسے گھر سے تلاش کر کے دوکان کھلواؤ اور اس سے ایک کی بجائے دو کتابیں لیتے آنا۔ ایک میں اپنے پاس رکھوں گی اور دوسری کسی پڑھی لکھی سہیلی کو بھیج دوں گی۔ یہ باپ بیٹی جب کوئی خریداری کرتے ہیں تو مجھے بالکل بھول جاتے ہیں" ——— اباجان ابھی اپنی کتاب سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ امی جان نے ان کے ساتھ کتاب کے متعلق بحث شروع کر دی اور انہوں نے حیران ہو کر پوچھا کہ تمہیں پڑھے بغیر یہ باتیں کیسے معلوم ہو گئیں؟ امی جان نے جواب دیا۔"جی میں پڑھ چکی ہوں اور میرے پاس اس کتاب کی ایک فالتو کاپی بھی ہے میں نے اسی رات منگوالی تھی" میرا خیال تھا کہ اباجان اسے فضول خرچی کہیں گے۔ لیکن انہوں نے کہا۔"بیگم صاحبہ! آپ نے بہت اچھا کیا ایسی کتاب خرید کر لوگوں میں تقسیم کرنا ایک طرح کی نیکی ہے۔ میں بھی یہ سوچ رہا ہوں کہ میں چند جلدیں خرید کر اپنے دوستوں کو بھیج دوں"

معزز خواتین! آپ میں سے جو یہ کتاب پڑھ چکی ہیں ان میں سے کوئی یہ محسوس نہیں کرے گی کہ میں نے کوئی مبالغہ کیا ہے۔ میں نے جب یوسف صاحب کی ابتدائی دو کتابیں پڑھیں تو میں نے نئی کتاب کا انتظار شروع کر دیا تھا۔ اب میں اس خوش قسمت خاتون کو کچھ کہنے کی دعوت دیتی ہوں جو یوسف صاحب کی رفیقہ حیات ہونے کے ناطے یہ کہنے کا حق رکھتی ہیں کہ "مجھ سے زیادہ یوسف صاحب کو کوئی نہیں جانتا"۔ بیگم فہمیدہ کا چہرہ ایک آئینہ ہے۔ جس میں آپ یوسف صاحب کے بہترین خدوخال دیکھ سکیں گے"

فہمیدہ اٹھی اور خواتین کچھ دیر ایک سناٹے کے عالم میں اس کی طرف دیکھتی رہیں۔

فہمیدہ نے کہا۔"اپنے رفیق حیات کے متعلق کچھ کہتے ہوئے مجھے ہمیشہ

یہ احساس رہے گا کہ میں ان کے ساتھ انصاف نہیں کر سکی اور شاید کئی سال اور میں اس قابل نہ ہو سکوں کہ یوسف صاحب کے متعلق بلا جھجک کوئی بات کر سکوں۔ میں نے جب سے انہیں دیکھا ہے میرے دل میں ہر روز ان کی عزت اور احترام میں اضافہ ہوا ہے۔ اگر وہ آئینہ بن کر میری نگاہوں کے سامنے نہ آتے تو مجھے کبھی احساس نہ ہوتا کہ میرے اندر بھی کوئی خوبی ہے۔ ——— گمشدہ قافلے کے متعلق یوسف صاحب کی کتاب پڑھ لینے کے بعد کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ ان کا کمال یہ ہے کہ وہ جس جگہ بھی ہوتے ہیں اپنے قارئین کو وہاں لے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی قاری کتاب کے صفحات الٹتے ہوئے ان کی سسکیاں سنتا اور آنسو بہتے ہوئے دیکھتا ہے تو یہ کیفیت اس پر بھی طاری ہو جاتی ہے۔ میں کئی بار ہوشیار پور کے قافلے کا المیہ پڑھ چکی ہوں جس میں میری بہن، بہنوئی اور ان کا بیٹا شہید ہو گئے تھے۔ یہاں آپ نے یہ پڑھا ہو گا کہ یوسف صاحب اچانک اپنے قافلے کو راستے میں چھوڑ کر واپس اپنے گاؤں چلے گئے تھے۔ اس کے بعد یوسف صاحب کے ساتھ نسرین کا سفر شروع ہوتا ہے اور میں یہ محسوس کر رہی تھی کہ نسرین کے ساتھ میں بھی اس سفر میں شریک ہوں۔ اس کے بعد خواب کے عالم میں میری نگاہوں کے سامنے اس داستان کا وہ حصہ کئی بار دہرایا گیا ہے۔ جبکہ یہ دریا عبور کر رہے تھے۔ میں خواب کے دوران ہی یہ دعا کرتی ہوں کہ یا اللہ! یہ ایک خواب ہو۔ میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ مجھے آپ نے اس مجلس میں کچھ کہنے کا موقع دیا ہے۔ لیکن میں یہ سمجھتی ہوں کہ مجھے اپنے رفیق حیات کو صحیح خراج تحسین پیش کرنے کے لئے بیس پچیس برس اور انتظار کرنا پڑے گا۔ آپ ہمارے لئے یہ دعا کیا کریں کہ تاریخ نے جو ذمہ داریاں ہمارے سپرد کی ہیں وہ ہم پوری کر سکیں"

مردوں کے اجتماع میں پروفیسر عظیم کے اصرار پر ڈاکٹر جمیل نے یہ تقریر کی:

"جناب یوسف سے میرا ایک قریبی رشتہ بھی ہے اور دوستی بھی، لیکن مصنف کی حیثیت سے میں نے اسے اس دن سے دیکھنا شروع کیا ہے جب یہ زخمی تھے اور میرے خاندان کے کئی لوگ ان کی تحریروں سے مسحور ہو چکے تھے۔ مجھے ان کی جس بات نے اپنی طرف متوجہ کیا تھا وہ یہ تھی کہ یہ ابتدائی عمر میں ہی اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ میں ایک کامیاب ناول نگار بنوں گا۔ میں اپنی دونوں بھتیجیوں نسرین اور فہمیدہ کی ذہانت کا قائل تھا۔ مجھے ان کی گفتگو سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ اس مصنف میں کوئی خاص بات ضرور ہے۔ بہرحال میں نے ان کے مسودے پڑھنے شروع کر دیئے اور اب میں آپ سب کی طرح اس نوجوان ادیب کا مستقل قاری بن چکا ہوں اور اس کا قریبی رشتہ دار ہونے پر فخر محسوس کرتا ہوں۔"

کھانا ختم کرنے کے بعد یوسف نے پروفیسر عظیم سے کہا "پروفیسر صاحب! میں نے پانچ منٹ کے لئے آپ سے علیحدگی میں بات کرنی ہے علیحدگی میں بات کرنے کو آپ گستاخی تو نہیں سمجھیں گے؟"

"نہیں یوسف صاحب، آپ کی کوئی بات گستاخی نہیں ہو سکتی۔ ہم چند منٹ کے لئے ایک علیحدہ کمرے میں بیٹھ جائیں گے۔"

پندرہ منٹ بعد یوسف ایک الگ کمرے میں پروفیسر عظیم سے کہہ رہا تھا۔

"عظیم صاحب! آپ سے میں جو بات کہوں گا وہ عنبرین کو اپنی بہن سمجھ کر کہوں گا۔"

"بیٹا، میں نے کب کہا ہے کہ عنبرین آپ کی بہن نہیں ہے۔ تم جو بات کرنا چاہتے ہو وہ کھل کر کہہ سکتے ہو۔ وہ میری اکلوتی بیٹی ہے اور میں عام طور پر بیمار رہتا ہوں اگر میرے ذہن سے اس کے مستقبل کا بوجھ اتر جائے تو میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھوں گا۔"

یوسف نے کہا۔ "پروفیسر صاحب! آپ نے میرا مسئلہ بہت آسان کر دیا

ہے۔ جمیل کے متعلق آپ جانتے ہیں اور وہ آپ سے اس وقت بھی یہ کہنے کے لئے تیار ہو گا کہ پھول کا کوئی بوجھ نہیں ہوتا، آپ گھر میں صلاح کر لیں اور مجھے اس بات کی اجازت دیں کہ میں جمیل کے ایک دو عزیزوں کو یہاں بلا لوں۔ میرا خیال ہے کہ اگر فہمیدہ کے چچا اور ان کی بیگم صاحبہ یہاں آجائیں تو بھی یہ کافی ہو گا۔ رشتوں کے معاملے میں عام طور پر ان کی رائے کا احترام کیا جاتا ہے۔"

پروفیسر عظیم نے کہا، "بیٹا! جس دن بیٹی پیدا ہوتی ہے۔ اس دن سے اس کے والدین اس کے مستقبل کے متعلق سوچنا شروع کر دیتے ہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ عنبرین کے متعلق میری کوئی تازہ دعا قبول ہوئی ہے۔"

یوسف نے کہا۔ "اس کے لئے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں انشاء اللہ پانچ دن کے اندر اندر جمیل صاحب کے عزیز یہاں پہنچ جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ رسمی کارروائی کی ذمہ داری وہ مجھے اور میری بیوی کو ہی سونپ دیں لیکن شاید وہ یہ بھی محسوس کریں کہ میں ہر اس رسمی کارروائی کا مخالف ہوں جس کا مقصد محض نمود و نمائش ہوتا ہے۔"

"بیٹا، یہ بات سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے کہ آپ فضول رسومات سے نفرت کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ کی اس نیکی کے اثرات کسی دن ہمارے گھروں میں بھی پہنچ جائیں۔"

یوسف نے اٹھتے ہوئے کہا "جناب! میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور انشاء اللہ! آپ سے ملاقات ہوتی رہے گی اور ایک بات کے لئے مجھے آپ کی اجازت کی ضرورت ہے۔"

"وہ بھی کہہ دیجئے!"

"جی میں یہ اجازت چاہتا ہوں کہ میری بیوی، عنبرین کے ساتھ اس مسئلے

پر کھل کر بات کرے۔ کیونکہ اس کی پسند کے بغیر یہ معاملہ شروع ہی نہیں ہو سکتا۔“

”ٹھیک ہے بیٹا، اگر تم چاہو تو میں عنبرین کو یہیں بلا لیتا ہوں کیونکہ مجھے اپنی بیٹی کے متعلق کوئی الجھن نہیں ہے۔“

”جناب! عنبرین کے متعلق میری بیوی کو بھی کوئی الجھن نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ انہیں کافی جانتی ہے۔ ان کی گفتگو محض رسمی ہو گی۔“

ایک ہفتہ بعد ڈاکٹر جمیل کے تینوں بڑے بھائی اور ان کی بیویاں اور بچے ایبٹ آباد پہنچ گئے۔ اگلے دن دوپہر کی دعوت پروفیسر محمد عظیم کے ہاں تھی۔ یوسف صبح سیر کے بہانے گھر سے نکلا اور پروفیسر عظیم کے گھر چلا گیا۔ عنبرین جو صحن میں کھڑی نوکروں کو ہدایات دے رہی تھی یوسف کو اپنے باپ کے کمرے میں لے گئی۔ پروفیسر عظیم نے اسے دیکھتے ہی تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا: ”یوسف صاحب! مجھے رات دیر تک کھانا پکانے والوں کو ہدایات دینی پڑیں اور اس کے بعد مجھے تھکاوٹ سے نیند نہیں آئی۔“

یوسف نے کہا، ”پروفیسر صاحب! مجھے باہر اتنی دیگیں دیکھ کر حیرت ہوئی ہے۔ مسئلہ تو صرف چند آدمیوں کے کھانے کا تھا۔“

”نہیں بھائی، ہم مہمانوں کی گنتی نہیں کیا کرتے۔“

یوسف نے کہا ”میرے ذہن میں رات ایک بات آئی تھی اور میں سیر کے بہانے اس طرف نکل آیا ہوں۔ پروفیسر صاحب! ایسا تو نہیں ہونا چاہیئے کہ ایک نیک کام کے لئے آپ کی صحت ہی خراب ہو جائے۔ اب تک جو انتظامات آپ نے کر لئے ہیں وہ مجھے ضرورت سے زیادہ معلوم ہوئے ہیں۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو میرے خیال میں یہ بہتر ہو گا کہ آج کھانے کے ساتھ عقد اور رخصتی کی رسم بھی ادا ہو جائے عنبرین

اپنے گھر سے رخصت ہو کر کہیں دور نہیں جائے گی۔ ڈاکٹر جمیل کی قیام گاہ سے وہ صبح و شام آپ کو آ کر دیکھ سکتی ہے۔“

”بیٹا! آپ جمیل صاحب کو یہاں رہنے پر رضامند نہیں کر سکتے؟“

”جی وہ بعد کی باتیں ہیں۔ جمیل آپ کی ہر خواہش کا احترام کرے گا۔“

”بیٹا، میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہم نے بیہودہ رسموں کی پابندی سے بہت کچھ کھویا ہے اور اب اس عمر میں مجھے کوئی نیک مشورہ رد نہیں کرنا چاہیئے۔ میں ابھی اپنے مہمانوں کو یہ پیغام بھیج دیتا ہوں کہ منگنی اور نکاح ایک ساتھ ہوں گے۔“

یوسف نے کہا: ”پروفیسر صاحب! میں کسی سے بات کر کے نہیں آیا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر رخصتی بھی ساتھ ہی ہو جائے تو جمیل صاحب کے عزیزوں کو اس بات سے بہت خوشی ہو گی۔ وہ لاہور میں آباد ہوئے ہیں لیکن کوئی آپ سے یہ نہیں کہے گا کہ ہم دلہن کو لاہور لے جائیں گے۔ اس وقت آپ کو شاید یہ بات اچھی نہ لگے لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ کے تمام عزیز میرے شکر گزار ہوں گے۔ عنبرین کو میری بیوی سے صرف اتنا پوچھ لینا چاہیئے کہ ہمارا نکاح کن حالات میں ہوا تھا اور ہم اور ہمارے عزیز کتنے خوش ہیں۔“

پروفیسر صاحب نے سیدھا لیٹتے ہوئے کہا، ”بیٹا! مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تم مجھے ایک نئی دنیا کی طرف کھینچ رہے ہو۔ لیکن میں اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ آج تمہارا مشورہ مان لینے سے مجھے کسی دن خوشی ہو گی۔ اب ہمیں بہت تھوڑے وقت میں بہت سا کام کرنا ہے۔ عنبرین کو میرا یہ کہہ دینا کافی ہو گا کہ تمہارا بھائی تمہیں ایک نیک مشورہ دے کر گیا ہے۔ اور وہ یا اس کی ماں کوئی اعتراض نہیں کریں گی۔“

یوسف نے اٹھتے ہوئے کہا، ”پروفیسر صاحب! آپ نے میرے سر سے ایک بوجھ اتار دیا ہے۔ جب میرے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ کسی رسم میں ہم

غیر مسلموں کی نقالی کر رہے ہیں تو میں اس کی مخالفت اپنا فرض سمجھ لیتا ہوں۔"

"بیٹا، مجھے بھی بہت سی رسموں سے گھن آیا کرتی تھی لیکن اس زمانے میں تم جیسے نوجوان نہیں تھے۔"

"جناب! ایسے نوجوانوں کو تلاش کرنا اور اُن سے کام لینا ہماری پہلی ذمہ داری ہے۔ میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ آپ نے ایک نیک فیصلہ کیا ہے۔ اور اس کے اثرات بہت دور رس ہوں گے۔"

یوسف گھر پہنچا تو فہمیدہ کے چچا اور چچیاں دم بخود ہو کر اس کی باتیں سن رہی تھیں کسی کو یقین نہیں آتا تھا کہ جمیل کی شادی کی رسومات آج ہی ادا ہو جائیں گی جمیل خاموشی سے یہ گفتگو سنتا رہا۔ بالآخر یوسف نے اس سے سوال کیا: "جمیل صاحب! میں کوئی غلطی تو نہیں کر آیا؟"

"نہیں بھئی، میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ کل رات گئے میں یہی سوچ رہا تھا کہ آپ نے اب تک پروفیسر صاحب کو اس غلطی پہ آمادہ کیوں نہیں کیا!"

یوسف بولا "بھئی یہ بات اس وقت بھی میرے ذہن میں تھی جب میں نے تمہارے رشتے کا مسئلہ چھیڑا تھا۔ لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ چند دنوں تک میں پروفیسر صاحب کے اتنا قریب آ جاؤں گا۔ فہمیدہ نے عنبرین سے پہلی ملاقات کے بعد ہی یہ کہہ دیا تھا کہ یہ لڑکی میرے چچا جان کے لئے بنائی گئی ہے۔ جمیل صاحب! اب آپ جتنی جلدی ممکن ہو اپنے پندرہ بیس دوستوں کو دعوت نامے بھیج دیں۔"

نسرین بولی: "بھائی جان! آپ مذاق تو نہیں کر رہے؟ کیا واقعی دُلہن آج ہمارے گھر آ جائے گی؟"

"بھئی، اس کا انحصار تمہاری ضد پہ ہے۔ اگر تم یہ کہہ کر فرش پر لیٹ گئیں کہ

میں دلہن کے بغیر گھر نہیں جاؤں گی تو انہیں تمہارا فیصلہ ماننا پڑے گا۔"

"بھائی جان! چچا جان کی خوشی کے لئے مجھے یہ بھی منظور ہے۔"

"اچھا اگر یہ بات ہے تو تم ابھی فہمیدہ کے ساتھ ان کے گھر جاؤ مجھے یقین ہے کہ وہ فہمیدہ کی باتوں سے متاثر ہونے کے بعد اپنے والدین پر اثر انداز ہو سکے گی۔ اپنے گھر میں اس کی پوزیشن ایسی ہے کہ اس کا ہر فیصلہ آخری فیصلہ سمجھا جاتا ہے۔"

بلقیس بولی: "بیٹا! مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آئندہ ہمارے خاندانوں میں آپ کا ہر فیصلہ آخری فیصلہ سمجھا جائے گا۔ میں کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تمہارے ساتھ اتنا بڑا انقلاب آ جائے گا۔"

یوسف نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: "چچی جان! میں آپ کو کبھی یہ نہیں بتا سکوں گا کہ اگر میں آپ کی شفقت سے محروم رہتا تو میری زندگی کتنی بے کار اور تلخ ہوتی۔"

بلقیس نے پریشان ہو کر کہا: "بیٹا! تم میری غلطی کبھی بھولو گے بھی یا نہیں۔"

"چچی جان! مائیں کبھی غلطی نہیں کرتیں اور پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ چند دن تکلیف اٹھانے کے بعد میرے مستقبل کے راستے کتنے ہموار اور مختصر ہو گئے تھے۔ اور پھر چچی جان مجھے کبھی اس بات کا یقین نہیں آیا تھا کہ آپ مجھ سے واقعی خفا ہو گئی ہیں میں تھوڑی دیر کے لئے ایک بھنور میں پھنس گیا تھا اور اس بھنور سے باہر نکلنے کے بعد میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ جب میں موت و حیات کی کش مکش میں مبتلا تھا تو آپ مجھے باہر نکلنے کے لئے سہارا دے رہی تھیں۔"

اسی دن سہ پہر کے وقت جمیل اور عنبرین کا نکاح پڑھایا جا رہا تھا اور عشاء کے قریب جمیل کی قیام گاہ پر دلہن کا استقبال کیا جا رہا تھا۔ جب مہمان خواتین جو بیشتر فوجی افسروں کی بیگمات تھیں، رخصت ہو گئیں تو یوسف، ڈاکٹر جمیل کے ساتھ دلہن کے کمرے

میں داخل ہوا اور اس سے کہا: "عنبرین بہن! مجھ سے عجیب و غریب غلطیاں ہوا کرتی ہیں لیکن اس غلطی کے لئے میں آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ میرے اصرار پر آپ کے والدین آپ کو آج ہی رخصت کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔"

عنبرین بولی: "بھائی جان! مجھ پر آپا فہمیدہ کا جادو چل گیا تھا ورنہ میں سب کے فیصلے رد کر دیتی۔ انھوں نے میری طرف پیار بھری نگاہوں سے دیکھا اور میں بے بس ہو کر رہ گئی۔ پھر وہ امی جان کے پاس گئیں اور انہوں نے انھیں یہ خوش خبری سنائی کہ عنبرین کو رخصت ہونے پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ جمیل صاحب کی بھتیجی اگر میری جان بھی مانگتی تو بھی میں انکار نہیں کر سکتی تھی۔"

ایک روز یوسف کو سندھ سے احمد خان کا خط ملا۔ اس نے لکھا تھا:

یوسف صاحب!

یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ آپ کی خیریت مجھے دوسروں سے معلوم کرنی پڑتی ہے اگر میں نے دہرہ دون میں آپ کے عزیزوں کے ایڈریس نہ لکھوا لئے ہوتے تو آج تمہارا پتہ کرنے کے لئے مجھے اخبار میں اشتہار دینے پڑتے۔ میں نے منظور احمد صاحب اور عبدالکریم صاحب کو خطوط لکھے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ دونوں طرف سے جواب آ گیا ورنہ مجھے کبھی یہ معلوم نہ ہوتا کہ آپ ایبٹ آباد میں ہیں۔ خان محمد، عمر کے اس حصے میں پہنچ چکا ہے جب لڑکوں کو سخت تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک سال تک آپ جہاں ہوں وہ آپ کے ساتھ رہے۔ میں بھی گرمیوں میں ایبٹ آباد آجایا کروں گا۔ اتنے بڑے انقلاب کے بعد آپ سے ملنا ضروری ہے۔ اس لئے میں آپ کا جواب ملتے ہی یہاں سے ایبٹ آباد کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔ منظور احمد نے مجھے بہت سے حالات بتا دیئے ہیں، لیکن آپ

پر جو گذری ہے، وہ میں آپ کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔ اپنی بیگم صاحبہ کو میرا سلام اور ننھی شہزادی کو میری دعائیں پہنچا دیجئے۔ خان محمد آپ کو بہت سلام کہتا ہے۔

آپ کا بھائی

احمد خان

اگلے روز یوسف اس خط کا جواب لکھ رہا تھا۔

خان صاحب!

آپ کے خط کا بہت شکریہ۔ میں یکم مارچ کو لائل پور اور اس کے بعد لاہور جا رہا ہوں۔ میرے خاندان کے بیشتر لوگ لائل پور آباد ہو گئے ہیں۔ وہاں انہیں جن مسائل کا سامنا ہے۔ ان کی وجہ سے مجھے بار بار لائل پور جانا پڑتا ہے۔ پہلا مسئلہ تو یہ تھا کہ ان کو جو زمین الاٹ ہوئی تھی اس کے سکھ مالک کے مکان پر ایک غیر متعلقہ خاندان نے قبضہ کر لیا تھا۔ اتفاق سے ضلع کے ایس پی اور ڈی سی میرے نام سے واقف تھے۔ میں ان کے پاس یہ معاملہ لے کر پہنچا تو انہوں نے بڑی مستعدی سے کام لیا۔ سہ پہر کے وقت گوجرہ سے ایک فرض شناس اے ایس آئی کی قیادت میں پولیس پارٹی روانہ ہوئی اور عشاء کی نماز سے پہلے میرے خاندان کے لوگوں کو قبضہ مل چکا تھا۔ پھر آپ جانتے ہیں کہ محکمہ مال اور پولیس کے اہل کار دیہاتی لوگوں کو کس قدر مصروف رکھتے ہیں اور لوگ بھی وہ جن کے ساتھ مہاجر کا لفظ لگ گیا ہے۔ یہ لوگ پریشان ہوتے ہیں تو میرے پاس ایبٹ آباد پہنچ جاتے ہیں۔ مجھے بذاتِ خود لائل پور جانا پڑتا ہے یا کسی ذمہ دار افسر کو فون کرنا پڑتا ہے۔ ان حالات میں اگر میں اپنے دوستوں اور بزرگوں کی طرف توجہ نہیں دے سکا تو مجھے

قابلِ معافی سمجھا جانا چاہیئے۔ لاہور میں آپ سے ملاقات ہوگی تو بہت سی باتیں کروں گا۔ میں عام حالات میں عبدالعزیز صاحب کے پاس جایا کرتا ہوں لیکن آپ کی سہولت کے لئے میں عبدالکریم صاحب کا ایڈریس بھی لکھ رہا ہوں۔ انہوں نے جب سے اپنے نئے بنگلے بنوائے ہیں انہیں کسی معزز مہمان کا انتظار رہتا ہے۔ میں دونوں کا ایڈریس لکھ رہا ہوں آپ روانہ ہونے سے پہلے مجھے میاں عبدالکریم کے پتہ پر تار بھیج دیجئے گا۔

آپ کا بھائی یوسف

فروری کے آخری ہفتہ خوب بارش ہوئی اور ایبٹ آباد میں کبھی کبھی برف بھی گرتی رہی لیکن ۲۶ فروری کے بعد آسمان صاف ہوگیا۔ یکم مارچ کو یوسف، فہمیدہ، نسرین، عنبرین اور ڈاکٹر جمیل گاڑی کے ایک ریزرو ڈبے میں سفر کر رہے تھے۔ راستے کے بعض اسٹیشنوں کے بک اسٹالوں پر یوسف کی نئی کتاب کی جلدیں قرینے سے لگی ہوئی تھیں اور جگہ جگہ یوسف کی تصویر کے ساتھ نئی کتاب کے پوسٹر لگے ہوئے تھے۔ یوسف اور فہمیدہ ایک بک اسٹال کے سامنے کھڑے تھے۔ ایک نوجوان لڑکی نے غور سے پوسٹر کی طرف دیکھا اور پھر ایک کتاب خرید کر یوسف کو پیش کرتے ہوئے کہا: "جناب! اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ یوسف صاحب ہیں۔ اگر تکلیف محسوس نہ کریں تو اس کتاب پر اپنا آٹوگراف لکھ دیں۔"

یوسف نے کتاب پکڑ کر کھولی اور اندر پہلے صفحہ پر اپنا نام لکھنے کے بعد بولا: "محترمہ! جب کسی کو کوئی اچھا موقع ملے تو اس سے پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ میرا خیال ہے کہ اگر اس کتاب پر میرے ساتھ میری بیوی کا آٹوگراف بھی ہوتا تو اس کی اہمیت بہت بڑھ جاتی۔"

"جی! آپ کی بیگم صاحبہ آپ کے ساتھ سفر کر رہی ہیں؟"

"میرا خیال تھا کہ آپ جیسی ذہین لڑکی کو پلیٹ فارم پر ایک نگاہ ڈالنے کے بعد انہیں پہچان لینا چاہیئے تھا۔"

لڑکی نے چونک کر فہمیدہ کی طرف دیکھا اور اس کی طرف دونوں ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا: "معاف کیجئے بہن! مجھے معلوم نہ تھا کہ یوسف صاحب پر اللہ نے کتنے احسان کئے ہیں۔ اگر میں کسی اور جگہ آپ کو دیکھتی تو شاید میرے دل میں پہلا خیال یہی آتا کہ آپ کو یوسف جیسے مصنف کی رفیقۂ حیات ہونا چاہیئے تھا۔ اس سے پہلے مجھے معلوم نہ تھا کہ بعض اوقات سپنے بھی حقیقتیں بن کر سامنے آ جاتے ہیں۔"

یوسف مسکرایا: "محترمہ، شاید ہمارے عزیزوں کو یہ معلوم ہوگیا تھا کہ ہم کوئی سپنا دیکھ چکے ہیں اور وہ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ ان بیوقوف اور ناسمجھ لوگوں کے تمام سپنے حقیقتوں میں تبدیل ہو جائیں۔"

لڑکی بولی: "یہ سب کچھ ٹھیک ہے لیکن ایک بات میں آپ کے پبلشر نے عقلمندی کا ثبوت نہیں دیا۔ آپ کے ساتھ آپ کی بیگم صاحبہ کی تصویر ضرور آنی چاہیئے تھی۔"

"بیگم صاحبہ کبھی اس بات کی اجازت نہ دیتیں۔"

"اگر میں بیگم صاحبہ کے پڑوس میں ہوتی تو وہ کبھی اعتراض نہ کرتیں ——— آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"ہم لاہور جا رہے ہیں۔"

لڑکی بولی: "میں وزیر آباد تک آپ کے ساتھ سفر کروں گی اور وہاں سے سیالکوٹ کی گاڑی پر سوار ہو جاؤں گی۔"

جب گاڑی وزیر آباد سے نکل رہی تھی تو عنبرین بولی: "بھائی جان! وہ آفت کون تھی؟"

"میں اس کے متعلق فہمیدہ سے زیادہ نہیں جانتا۔ مجھے معلوم ہے کہ انسان کو زندگی میں کئی آفتوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ لیکن جہاں تک میرا مسئلہ ہے مجھے یہ اطمینان ہے کہ فہمیدہ ہر بلا کے سامنے میری مضبوط ترین ڈھال ہے۔"

نسرین بولی: "بھائی جان! آپ بھی تو آپا جان کی ڈھال ہیں نا۔"

امینہ کی دعوت

پھر ایک دن لاہور میں امینہ کی دعوت پر شہر کی پڑھی لکھی خواتین عبدالکریم کی کوٹھی کے وسیع لان میں شامیانوں کے نیچے جمع تھیں۔ ان میں سے بعض کالجوں کی پروفیسر اور اُستانیاں تھیں۔ دو پرنسپل اور گیارہ مختلف کالجوں کے پروفیسرز بھی اگلی قطاروں میں بیٹھے ہوئے تھے۔

امینہ نے اسٹیج پر جاکر اعلان کیا: "معزز خواتین اور حضرات! ہم بہت دیر سوچنے کے باوجود یہ فیصلہ نہیں کرسکے کہ اس مجلس کی جو ملک کے نامور ناول نگار یوسف صاحب کی خدمات کو خراج پیش کرنے کے لئے منعقد ہوئی ہے، صدارت کس کو سونپی جائے۔ اب میری بہنوں نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا ہے کہ جناب یوسف صاحب اپنی پسند کے صدر کو بذاتِ خود اسٹیج پر لے آئیں۔"

یوسف حیران سا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے حاضرین کی طرف دیکھا اور تیسری قطار کی طرف بڑھا، جہاں بلقیس اور عبدالعزیز بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے ان کے قریب جاکر بلقیس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا، "آئیے چچی جان!"

"بیٹا میں!" وہ حیران ہو کر پوچھنے لگی "تم میرا مذاق اڑاؤ گے۔"

یوسف نے بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے کہا، "چچی جان! میری زندگی میں اور میرے بعد بھی کوئی آپ کا مذاق نہیں اڑائے گا۔"

بلقیس نے جھجکتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے ساتھ چل پڑی۔ یوسف نے اسے کرسیٔ صدارت پر بٹھاتے ہوئے کہا، "معزز خواتین اور حضرات! آج اس جگہ اس معزز خاتون کو ہونا چاہیئے تھا، جس نے سب سے پہلے میرے اس دعوے پر یقین کر لیا تھا کہ میں کسی دن ایک ناول نگار کی حیثیت سے پہچانا جاؤں گا۔ وہ معزز خاتون میری والدہ تھیں اور جب میں اپنی منازل سے بہت دور تھا تو وہ میرا ساتھ چھوڑ گئی تھیں۔ ان کے بعد بیگم عبدالعزیز صاحبہ نے، جو اس وقت آپ کے سامنے تشریف فرما ہیں۔ مجھے زندگی کا حوصلہ دیا تھا۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ وہ پیار اور شفقت جس سے میں اپنی والدہ کی وفات کے بعد محروم ہو گیا تھا، قدرت نے اس عظیم خاتون کو منتقل کر دی تھی۔ میں رسمی الفاظ سے ان کے پیار اور خلوص کی توہین نہیں کروں گا۔ اور میں ان کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے جس کشادہ دلی سے بچپن میں میرے سر پہ ہاتھ رکھا تھا اسی کشادہ دلی کے ساتھ یہاں آکر بیٹھ گئی ہیں جو لوگ میرے متعلق کچھ جاننا چاہتے ہیں وہ کبھی تنہائی میں اس عظیم خاتون سے گفتگو کر لیا کریں۔"

امینہ بولی، "اب میں آپ کے سامنے ایک آئینہ پیش کرتی ہوں جس میں آپ کو میرے بھائی جان یوسف صاحب کے خدوخال نمایاں دکھائی دیں گے۔ میں فہمیدہ بیگم سے درخواست کرتی ہوں کہ اسٹیج پر تشریف لائیں۔

فہمیدہ ہر مجلس کی طرح یہاں بھی نمایاں دکھائی دے رہی تھی۔ وہ اٹھی اور نسرین کا ہاتھ پکڑ کر اسٹیج پر بلقیس کے ساتھ آ بیٹھی۔

اس کے بعد امینہ نے اعلان کیا: "معزز خواتین اور میری بہنو! اب آپ بھائی جان کے اس قدردان کی تقریر سننے کے لئے تیار ہو جائیں۔ جنہیں ہم ایک مشہور سرجن کی حیثیت سے جانتے ہیں اور اس حیثیت سے میرے اور میرے بھائی یوسف صاحب

کے خاندان کے بہت بڑے محسن ہیں اور جن کی وجہ سے مجھے اور میرے عزیزوں کو یہ اطمینان رہتا ہے کہ ہم میں سے کسی کو تکلیف ہو گی تو ایک کامیاب ڈاکٹر ہمارے علاج کے لئے موجود ہو گا۔ چند ہفتے قبل ادب کے ساتھ ان کے لگاؤ کا ہمیں کوئی علم نہ تھا لیکن جب ڈاکٹر صاحب کو اس اجتماع میں شرکت کی دعوت دی گئی تو انہوں نے مجھے ٹیلی فون پر کہا ــــ "میں بڑی خوشی سے اس اجتماع میں حاضر ہوں گا اور تقریر بھی کروں گا" ــــ مجھے یقین ہے کہ آپ ان کی تقریر غور سے سنیں گے۔ یہ ڈاکٹر کمال الدین ہیں اور ان کی عادت ہے کہ اگر ہسپتال سے کسی ایمرجنسی کے متعلق فون آجائے تو یہ سارے کام چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ لہٰذا میں اس خطرہ سے بچنے کے لئے محترم ڈاکٹر کمال الدین صاحب کو دعوت دیتی ہوں کہ وہ اسٹیج پر تشریف لائیں اور کسی تمہید کے بغیر تقریر شروع کر دیں ــــ انہیں سب سے پہلے اس لئے بلایا جا رہا ہے کہ محترمہ صدر صاحبہ بھی سب سے پہلے ان سے کچھ سننا چاہتی ہیں۔"

ڈاکٹر کمال الدین آخری صف سے اٹھا اور سٹیج پہ آکر بولا:

"معزز خواتین و حضرات!

میرے لئے علم و ادب کے موضوع پر تقریر کرنے کا یہ پہلا موقع ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یوسف صاحب کو ایک کامیاب مصنف کی حیثیت سے پہچاننے سے پہلے میں صرف ایک ایسے انسان کی حیثیت سے جانتا تھا جو اپنے اندر دوسروں کے لئے ایک غیر معمولی کشش رکھتا ہے۔ ان سے متعارف ہونے سے پہلے میں نے یہ سنا تھا کہ وہ اپنے متعلق مستقبل میں ایک کامیاب ناول نگار بننے کا یقین رکھتے ہیں لیکن اس ملک میں جو شہرت ان کے مقدر میں تھی اس کا احساس مجھے اس وقت ہوا جب یوسف صاحب زخمی تھے اور ایک گولی ان کے کندھے کی ہڈی کے قریب پھنسی ہوئی تھی اور ان کے سر کے زخم سے بھی بہت سا خون بہہ چکا تھا۔ ان کی جان بچانے

کے لئے ایک انتہائی نازک اپریشن کی ضرورت تھی۔ یہ میرا تجربہ ہے کہ ایسے مریضوں کو موت کے منہ سے واپس لانے کے لئے ڈاکٹروں یا جراحوں کی قابلیت سے زیادہ مریض کے عزم و یقین اور اندرونی توانائی کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ توانائی اور عزم زندگی کے کسی مقصد سے وابستگی کا مرہون ہوتا ہے۔ مجھے اس بات کی حیرت تھی کہ یوسف صاحب اپریشن کے بعد فوراً ہوش میں آ گئے تھے اور اس بات پر زیادہ حیرت تھی کہ جب میں نے انہیں ہسپتال سے فارغ ہونے کے دو ہفتے بعد دیکھا تھا تو مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ یہ نوجوان اتنے خطرناک اپریشن سے گزر چکا ہے اور میں سوچنے لگا: "آخر وہ کیا جذبہ ہے۔ جو انہیں زندہ رکھ رہا ہے اور اتنے مہلک زخموں سے وہ اتنی جلدی عہدہ برآ ہو گئے ہیں ـــــ یہ سوال کتنا عرصہ میرے سینے میں کلبلاتا رہا۔ پھر یوسف صاحب سے وابستگی مجھے ان کی تصانیف کی طرف لے گئی میں نے ان کی کتابیں پڑھیں اور بار بار اس لئے پڑھیں کہ ان کے آئینہ میں مجھے وہ بلند مقاصد نظر آتے تھے۔ جنہوں نے یوسف صاحب کو انتہائی تشویشناک حالات میں زندہ رکھا تھا۔ میری دلچسپی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میں بذات خود ان المناک حالات سے گزر چکا تھا جن کا سامنا کرنے کے لئے یوسف صاحب قوم کو بروقت بیدار کرنا چاہتے تھے۔ میں آپ کو وہ خط پڑھ کر سنانا چاہتا ہوں جو یوسف صاحب جہاد کشمیر پر روانہ ہوتے وقت اپنی رفیقۂ حیات کے لئے لکھ کر چھوڑ گئے تھے۔ اس خط کے مضمون کا ایک ادھورا سا عکس ان کی نئی کتاب میں بھی آیا ہے لیکن میں اصل خط آپ کو پڑھ کر سناتا ہوں۔ جس سے یوسف صاحب کی پوری شخصیت ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ وہ خط یہ ہے:

"رفیقۂ حیات!

...... مجھے رات۔ سوتے وقت اچانک خیال آیا۔ کہ آپ کے پاس، کئی لوگ یہ پوچھنے آیا کریں گے کہ ایک کامیاب مصنف جسے دنیا کی تمام خوشیاں حاصل تھیں، کشمیر کے محاذ پر کیوں چلا گیا؟

میں چاہتا ہوں کہ آپ ایسے لوگوں سے بحث کرنے کی بجائے انہیں یہ خط دکھا دیا کریں یہ ان لوگوں کے لئے ایک پیغام ہے۔ جنہیں ابھی تک یہ احساس نہیں ہوا کہ کشمیر کو ہم ہندوستان کے جارحانہ تسلط سے آزاد کرائے بغیر پاکستان کے خواب کی صحیح تعبیر نہیں دیکھ سکتے۔ ابھی ہندوستان میں مسلمانوں کا خون خشک نہیں ہوا ابھی تک وہ اس وحشت و درندگی کے مظاہرے دیکھ رہے ہیں جس نے برہمنی استبداد کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ انسانیت کے لئے دنیا میں بہت سے خطرات پیدا ہوئے ہیں۔ ہمیں سب سے بڑا خطرہ ہندو سامراج سے ہے۔ اس کے عزائم کو دائمی شکست دیئے بغیر ہم اپنی آئندہ نسلوں کو یہ پیغام نہیں دے سکتے کہ ہم نے ان گنت قربانیوں کے بعد پاکستان ہی نہیں بنایا بلکہ اس عفریت کے جبڑے بھی توڑ دیئے ہیں، جو اسلامی ممالک کو اپنی شکارگاہ سمجھتا ہے ـــــ فہمیدہ! شاید میں یہ بات کئی بار دہرا چکا ہوں کہ دنیا کی بدترین سفاکی اور درندگی نے ان لوگوں کے مندروں میں جنم لیا ہے جہاں آسمان پر سب کچھ بھگوان کا ہوتا ہے اور آسمان کے نیچے سب کچھ برہمن کا یا ان دیوتاؤں کا جن کی ہیبت سے برہمن عوام کو ڈرا کر لوٹ سکتے ہیں۔

ہماری خوش قسمتی یہ ہے کہ ہم نے پاکستان بنا کر برصغیر کے ایک حصے کو برہمنی جارحیت سے محفوظ کر لیا ہے۔ لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ برہمن ایک موقع کھونے کے بعد دوسرے موقع کا انتظار کرے گا اور وہ صدیوں تک مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے بہترین موقع کا منتظر رہے گا۔ ایک ہندو، غیر ہندو سے نفرت کئے بغیر ہندو نہیں رہ سکتا۔ وہ اگر غیر ہندو سے چھو جائے تو اس کے دھرم کی دولت لٹ جاتی ہے۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ایک مسلمان کو پاکستان

میں زندہ اور آزاد رہنے کے لئے برہمنی استبداد کی پوری تاریخ پر نگاہ رکھنی چاہیئے۔
ایک زمانہ تھا کہ آرین فاتحین ہندوستان پر غالب آ گئے تھے اور پھر انہوں نے ہندو مت کے نام سے ایسے مذہبی اور اخلاقی ضابطوں کی بنیاد رکھی جس سے وہ مفتوحہ قوم کے خلاف ہندو سماج کے نفرت کے جذبات زندہ رکھ سکتا تھا۔

ایک زمانہ وہ بھی تھا جب کہ اچھوت کی کئی قسمیں تھیں۔ ایک وہ تھے جن کے ساتھ چھو جانے سے ہندو بھرشٹ ہو جاتا تھا۔ اس سے زیادہ حقیر وہ گروہ بھی تھا۔ جسے دیکھنے، جس کی آواز سننے یا جس کا سایہ پڑنے سے برہمن کے دھرم کی دنیا تباہ ہو جاتی تھی۔

جنوبی ہندوستان میں ان اچھوتوں کی بے بسی کی داستانیں زیادہ پرانی نہیں ہوئیں جو سفر کے لئے گھر سے باہر نکلتے تھے تو اپنے ڈنڈے سے ایک گھنٹی باندھ لیتے تھے اس گھنٹی کی آواز اونچی ذات کے ہندوؤں کو یہ اطلاع دیتی تھی کہ ایک ملیچھ یا شودر جسے دیکھنے، جس کی آواز سننے اور جس کا سایہ پڑنے سے ان کا بیڑہ غرق ہو جاتا ہے، اس راستے پر آ رہا ہے اور اونچی ذات کے ہندو اس راستے سے ایک طرف ہو جاتے تھے، اپنی آنکھیں بند کر لیتے تھے اور کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے۔

غیر ہندو سے نفرت، ہندو سماج کی میراث ہے اور انہیں جب موقع ملے گا وہ اس میراث کو محفوظ کرنے کی کوشش کریں گے۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہندو اپنے ظلم اور درندگی کی ابتدا کشمیر سے کرے گا۔ اس لئے کشمیر کو اس کے غاصبانہ قبضے سے نجات دلانا ہماری ایک عظیم ترین ذمہ داری ہے۔ میں مستقبل کے افق پر اس آنے والے دور کے بھیانک مناظر دیکھا کرتا ہوں جب ہندو بیسویں صدی کے اسلحہ سے لیس ہو کر کشمیر کی وادیوں میں جبر و استبداد کے ایک نئے دور کا آغاز کریگا۔

اس کی افواج کی حفاظت ٹینکوں اور ہوائی جہازوں سے ہو رہی ہوگی وہ نہتے کشمیریوں کی بستیاں جلائے گا۔ اس کے فوجی لوگوں کے گھروں میں گھس جایا کریں گے۔ اور ان گھروں سے مرتی ہوئی انسانیت کی آخری سسکیاں سنائی دیا کریں گی۔ میں قوم کو ان عافیت پسندوں سے خبردار کرنا چاہتا ہوں جو اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے لئے یہ کہا کرتے ہیں کہ آج کے حالات پرانی رنجشوں کا نتیجہ ہیں اگر ہم نے تدبر سے کام لیا تو ہندو خود بخود ٹھیک ہو جائے گا ـــــ ان لوگوں کو میرا پیغام یہ ہے کہ ہندو ان کی نیک خواہشات سے کبھی خوش نہیں ہوگا۔ یہ کمزور کا گلا گھونٹتا ہے اور طاقتور کے پاؤں پر گرتا ہے۔ وہ کسی پانی پت کے میدان سے منہ کی کھا کر تو راہ راست پر آ سکتا ہے لیکن نیک تمناؤں سے اسے ٹھیک نہیں کیا جا سکتا۔

میں مانتا ہوں کہ وہ تعداد میں زیادہ ہے۔ میں یہ بھی مان لیتا ہوں کہ انہوں نے کچھ اپنی کوشش اور کچھ دوسروں کی مدد سے اسلحہ کے انبار لگا لئے ہیں لیکن یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ جب اسے انسانی خون کی پیاس محسوس ہو تو ہم اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جائیں اس کے جارحانہ عزائم کو شکست دینا ہماری ایک تاریخی ذمہ داری ہے اور یہ تاریخی ذمہ داری ہمیں آئندہ نسلوں پر نہیں چھوڑنا چاہیئے ورنہ انہیں زیادہ نامساعد حالات میں بھارتی جبر و استبداد کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہم کشمیر سے اسے مار بھگائیں تو ہمارا آدھا خطرہ کم ہو جاتا ہے اور کسی چھوٹے سے پانی پت میں باقی رہے سہے خطرات ختم ہو جائیں گے ـــــ یہ قیاس آرائی نہیں یہ تاریخ ہے ـــــ جس ایک ہزار سالہ عرصہ میں مسلمانوں نے ہندوستان پر حکومت کی ہے۔ اس دور میں ہندو سے زیادہ امن پسند کوئی نہ تھا۔ اور جب ایک ہزار سال کی غلامی کے بعد اس کا ہاتھ مسلمان کی شہ رگ تک پہنچ گیا تو اس سے زیادہ ظالم بھی کوئی نہ تھا۔

دانا لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی کو شریف دوست نہ مل سکے تو اسے ایک شریف دشمن کو بھی غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ لیکن ہندو ہمیشہ ایک بُرا دوست اور بدترین دشمن ثابت ہوتا رہا ہے۔ اس کی ذہنیت تبدیل کرنے کے لئے ہمیں قدم قدم پر یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ ہم پوری جرأت اور عزم و استقلال سے حالات کا سامنا کریں گے۔ جس دن ہم اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے کہ ہمیں اپنے ہندو ہمسائے سے کوئی خطرہ نہیں اور ہماری شرافت اُسے کسی طرح راہِ راست پر لے آئے گی تو ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم اس دن زندگی سے زیادہ موت کے قریب ہوں گے۔"

یوسف

ڈاکٹر کمال الدین کی تقریر کے بعد امینہ قدرے توقف کے بعد بولی: "معزز خواتین و حضرات! محترمہ نسرین صاحبہ، بیگم یوسف صاحبہ کی چھوٹی بہن ہیں اور قوم کی ایک ہونہار بیٹی ہیں۔ پڑھے لکھے لوگ ان سے باتیں کرنا اور ان کی باتیں سننا پسند کرتے ہیں۔ وہ یوسف صاحب کے متعلق اتنی باتیں جانتی ہیں کہ شاید کوئی اور نہ جانتا ہو۔ یوسف صاحب کہا کرتے ہیں کہ اس ہونہار بچی نے مجھے اس زمانے میں ایک کامیاب مصنف تسلیم کر لیا تھا، جب مجھے کوئی نہیں جانتا تھا۔ جب میرے چاروں اطراف غم کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ تو یہ میرا ہاتھ پکڑ کر روشنی کی طرف لے گئی تھیں۔ یوسف صاحب یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ بیگم بلقیس صاحبہ اور نسرین کا شکریہ ادا کرنے کے لئے مجھے کبھی موزوں الفاظ نہیں ملیں گے —— اب میں نسرین صاحبہ کو کچھ کہنے کی دعوت دیتی ہوں۔"

نسرین اٹھی اور مائیک کے سامنے آکر بولی: "معزز خواتین و حضرات، میری محترم اور عزیز بہنو! مجھے وہ زمانہ ایک خواب معلوم ہوتا ہے جب میں نے

بھائی جان کو پہلی بار دیکھا تھا اور بھائی کے لفظ کا میرے ذہن میں ایک خاص مفہوم پیدا ہوا تھا۔ اگر میں ان کے متعلق وہ سب کچھ بیان کروں جو میں جانتی ہوں تو آپ سنتے سنتے اور میں بولتے بولتے تھک جاؤں لیکن خوشی کے موقع پر تھک جانا کوئی اچھی بات نہیں۔ اس لئے میں آپ کے صبر کا امتحان نہیں لوں گی۔

آپ نے یوسف بھائی جان کی نئی کتاب پڑھی ہوگی۔ آپ اس کتاب کے متعلق میرے احساسات کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ ایک قافلہ جس کے ساتھ میں، میری بڑی بہن، میرا بہنوئی، ان کا بیٹا اور ان کے دوسرے عزیز سفر کر رہے تھے ہوشیار پور سے دریا عبور کر کے اس امید کے ساتھ ضلع گورداسپور پہنچا تھا کہ وہ پاکستان میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہ قافلہ بھائی جان کے گاؤں کے راستے میں گم ہو گیا تھا اور میں زندہ بچ کر رات کے وقت ایک اجڑے ہوئے گاؤں میں پہنچی تھی۔ یہ بھائی جان کا گاؤں تھا۔ اور ان کے خاندان کی ہجرت کے بعد گاؤں کے غیر مسلم بھی جوابی حملے کے خوف سے بھاگ گئے تھے۔ آپ نے ایسا مکمل اور ایسا ہولناک سناٹا کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔ ایک پورے جیتے جاگتے گاؤں میں کوئی انسانی آواز نہیں تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہر درخت، ہر جھاڑی اور کماد اور چری کے ہر کھیت میں بھوتوں، چڑیلوں اور خونخوار درندوں کی فوجیں چھپی ہوئی ہیں۔ باہر سے کوئی آواز آتی تھی تو وہ آس پاس گیدڑوں اور دوسرے گاؤں کے کتوں کے بھونکنے اور رونے کی آواز تھی۔ گاؤں کی مسجد کے قریب کس مشکل سے میرے منہ سے یہ آواز نکل رہی تھی "بھائی جان! بھائی جان! بھائی جان!!!" اور ساتھ ہی میں رو بھی رہی تھی اور یہ دعا بھی کر رہی تھی۔ "اللہ کرے کہ بھائی جان اور ان کے سب عزیز پاکستان پہنچ گئے ہوں۔" خوف اور بیچارگی کے الفاظ شاید میرے احساسات کا مفہوم ادا نہ کر سکیں۔ پھر کوئی کہہ رہا تھا "میری بہن، میری

شہزادی، میری بیٹی!" یہ میرے بھائی جان اس وقت بھی اتنے عظیم تھے کہ یہ اپنے قافلے کو امرتسر سے کوئی پندرہ میل آگے لاہور کے راستے میں چھوڑ کر واپس پہنچ گئے تھے اور یہ سن کر واپس پہنچ گئے تھے کہ میں اپنی بہن، بہنوئی، بھانجے اور ان کے خاندان کے دوسرے لوگوں کے ساتھ دریا عبور کر کے ضلع گورداسپور کے راستے پاکستان پہنچ رہی ہوں۔ اور پھر میں نے ایک ایسا سفر شروع کیا تھا جس کے تصور سے میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور مجھے یہ فخر بھی محسوس ہوتا ہے کہ میرے ساتھ میرا وہ بہادر بھائی تھا جس کی قربت کے احساس نے میرے دل سے موت کا خوف نکال دیا تھا۔

بہنو، اور بزرگو! ——— میں گم شدہ قافلوں کی ایک جھلک دیکھ چکی ہوں اور یہ قافلہ ان بے شمار قافلوں میں سے ایک تھا، جن کے نشان وقت کی ریت کے نیچے دبتے جا رہے ہیں۔ میرے خیال میں ہمارے لئے اپنی تاریخ کا بدترین دن وہ ہوگا۔ جب ہمارے دلوں سے ان گمشدہ قافلوں کی یاد مٹ جائے گی۔ میں اس قوم کے دانشوروں، ادیبوں، شاعروں اور افسانہ نگاروں سے اپیل کرتی ہوں کہ وہ اپنی قوم کو جس نے آگ اور خون کے دریا عبور کر کے پاکستان حاصل کیا ہے اس کا ماضی یاد دلاتے رہیں۔ میں آپ میں کوئی انتقامی جذبہ بیدار کرنا نہیں چاہتی لیکن اس بات سے ڈرتی ہوں کہ آپ کہیں اپنے دائمی دشمن کو بھول نہ جائیں اور گرد و پیش سے آنکھیں بند کر کے تباہی کے ان راستوں پر نہ چل پڑیں جو ماضی سے سبق نہ حاصل کرنے والوں کی آخری سزا ہوتی ہے۔"

نسرین کے بعد ایک کالج کی پروفیسر اور دوسرے کالج کے پرنسپل نے باری باری اسٹیج پہ آکر تقریریں کیں اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر یوسف کو داد دی۔ بالآخر امینہ اسٹیج پہ آئی اور اس نے جھک کر بلقیس کے کان میں کہا: "چچی جان! اگر آپ میرے

منہ پر تھپڑ نہ ماریں تو میں درخواست کرتی ہوں کہ آپ تقریر سے انکار کے فیصلے پر نظر ثانی فرمائیں۔ حاضرین ایک ماں سے اس کے عظیم فرزند کے متعلق ضرور کچھ سننا چاہیں گے۔" بلقیس نے یوسف کی طرف دیکھا، مسکرائی اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

چند ثانیئے خاموشی سے حاضرین کی طرف دیکھتی رہی پھر اس نے جھجکتے ہوئے تقریر شروع کی: "میرے بھائیو، بزرگو، بہنو اور بیٹو! ——— مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں ایک خواب دیکھ رہی ہوں۔ اس قسم کے اجتماع میں یہ میری پہلی تقریر ہے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ یوسف کے متعلق کچھ کہتے ہوئے میں ہچکچاہٹ یا خوف محسوس نہیں کروں گی کیونکہ یوسف صاحب اور خوف ایک جگہ جمع نہیں ہوتے۔ ایک عورت جسے اللہ نے سب کچھ دے رکھا ہو لیکن اولاد نہ ہو تو اسے بدنصیب سمجھا جاتا ہے لیکن میرے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا تھا کہ ایک عظیم خاتون جس نے پہلی ملاقات میں ہی مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ اچانک بیمار ہوئی اور چند گھنٹوں کے اندر اندر اللہ کو پیاری ہو گئی۔ زندگی کے آخری لمحات میں اس نے اپنے بیٹے کے متعلق چند باتیں کی تھیں اور مجھ سے چند وعدے لئے تھے۔ پھر وہ چلی گئیں۔ اور میں نے یہ محسوس کیا کہ وہ جن کی وفات پر ہم کئی دن روتے رہے تھے میرے دل میں اپنے ہونہار بیٹے کا پیار چھوڑ گئی ہے۔ جو اس دنیا میں خوشیاں تقسیم کرنے آیا ہے۔ اس کے بعد مجھے کبھی یہ محسوس نہیں ہوا کہ میری دنیا میں کسی چیز کی کمی ہے۔ ہمیں بہت قریب سے دیکھنے والے میری کسی کوتاہی پر نکتہ چینی کر سکتے ہیں، لیکن یوسف جو مجھے چچی جان کہا کرتا ہے۔ اس کی فرمانبرداری اور سعادتمندی کے متعلق مجھے کبھی معمولی سی شکایت بھی نہیں ہوئی۔ مجھ سے پہلے میرے میاں نے اسے انتہائی خطرناک ڈاکوؤں کو باندھ کر تھانے پہنچاتے ہوئے سنا تھا۔ میری چھوٹی بھتیجی نسرین اور اس کی نانی جان نے اس کی رفاقت میں انتہائی مشکل سفر کے دوران اس کی غیرت اور جواں مردی کے ناقابل فراموش مظاہرے دیکھے تھے۔ سفر کے دوران

وہ غلطی سے اپنی پہلی تصنیف کا مسودہ گاڑی میں بھول گیا تھا۔ نسرین بہت چھوٹی تھی لیکن اس میں اتنی سمجھ تھی کہ اس کا بیگ اٹھا کر گھر لے آئی تھی اور مسودہ سنبھال کر رکھ لیا تھا۔ اس کی بڑی بہن فہمیدہ جسے آپ بیگم یوسف کی حیثیت سے جانتے ہیں اس ملک کی پہلی لڑکی تھی جس نے یہ مسودہ بار بار پڑھنے کے بعد یوسف کے تابناک مستقبل کی پیش گوئی کی تھی ـــــ اور ہمارا سارا خاندان یوسف سے متعارف ہو گیا تھا ـــــ

میری بہنو! میری تعلیم واجبی سی ہے اس لئے میں آپ کو اس سوال کا جواب نہیں دے سکوں گی کہ مصنف کی حیثیت سے یوسف کیسا ہے ـــ کیونکہ یوسف کے متعلق مجھے صرف ایک ماں کے ذہن سے سوچنے کی عادت ہو گئی ہے ـــــ اس جگہ اگر کوئی یہ پوچھے کہ یوسف کیسا بیٹا ہے تو میرا جواب یہ ہو گا کہ شہر کی تمام مائیں اگر اپنے بیٹوں کے ساتھ اس جگہ جمع ہو جائیں تو مجھے جہاں ہر بیٹے پر پیار آئے گا وہاں میں یہ بھی کہوں گی کہ میرے یوسف جیسا کوئی نہیں ـــــ اور میری طرح اسے آپ سب کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔"

بلقیس کی آنکھیں پُرنم ہو چکی تھیں۔ وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھنے کی بجائے اسٹیج سے اترنے لگی تو یوسف نے جلدی سے آگے بڑھ کر سہارا دیا۔ اور پھر خواتین اور نوجوان لڑکیاں آگے بڑھ بڑھ کر اسے گلے لگا رہی تھیں۔

ایک خاتون نے کہا۔ "محترمہ آپ نے کسرِ نفسی سے کام لیا ہے کوئی ماں اپنے بیٹے کے متعلق اس سے بہتر تقریر نہیں کر سکتی تھی۔" بلقیس نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "نہیں بہن ایک ماں ایسی تھی جو تقریر کے بغیر آپ کو اس سے زیادہ متاثر کر سکتی تھی جو نزع کی حالت میں بھی یوسف کا نام پکار کر سننے والوں کو رُلا سکتی تھی۔"

جب بلقیس کے گرد عورتوں کا ہجوم ذرا کم ہوا تو عبدالعزیز نے آگے بڑھ کر اسے کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ "بلقیس، مجھے معلوم نہ تھا کہ یوسف کے اثرات کہاں تک پہنچ

چکے ہیں۔ تمہاری تقریر سن کر مجھے بڑی شدت کے ساتھ زندگی کی ان راحتوں کا احساس ہوا ہے۔ جو ہمارے گھر یوسف کے ساتھ آئی ہیں۔"

بلقیس بولی۔ "جناب! میں آپ کی لاڈلی بھتیجی سے بھی بہت متاثر ہوں۔ یہ اس کے الفاظ تھے کہ بعض لوگ دنیا میں خوشیاں تقسیم کرنے کے لئے آتے ہیں۔"

نسرین جو اُن کے قریب کھڑی تھی، بولی۔ "چچی جان! بھائی جان کے متعلق میری کوئی بات یاد نہیں رہی آپ کو؟"

بلقیس نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹی تمہاری ہر بات میرے دل پر نقش ہے۔ اور ہر بات کے لئے ہر جگہ موزوں نہیں ہوتی لیکن اگر تم خوش ہو سکتی ہو تو میں دوبارہ اسٹیج پر جانے کے لئے تیار ہوں۔"

امینہ بولی۔ "نہیں خالہ جان! اس کے لئے کئی مواقع آئیں گے۔ فہمیدہ بھی تو ایک کتاب لکھ رہی ہے۔ جس میں اس کی ننھی بہن کا ذکر بار بار آتا ہے۔ اور شاید میں بھی کسی دن لکھنا شروع کر دوں۔"

نسرین بولی۔ "آپا جان! خدا کے لئے ضرور لکھیں۔ میں آپ کی مدد کر سکوں گی اور بھائی جان بہت خوش ہوں گے۔"

کمال الدین کا سفرِ واپسی

۲۰ اگست کی شام ڈاکٹر کمال الدین، یوسف کے نام یہ مختصر سا پیغام چھوڑ کر اچانک غائب ہو گیا کہ "مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ حیدر آباد کے چند گھرانے کراچی میں آباد ہو گئے ہیں۔ اگر کراچی سے کوئی امید کی روشنی دکھائی دی تو ممکن ہے میں دکن کی طرف چل پڑوں۔ میں نے یہ سطور لکھنے سے پہلے آپ سے ٹیلی فون پر رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن آپ دفتر میں نہیں تھے۔ بہر حال، اس سفر میں مجھے قدم قدم پر آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہو گی۔ یہ گھر چھوڑتے ہوئے مجھے اس بات کا ملال ہے کہ میں اپنے محسن کے ساتھ بات نہیں کر سکا۔"

کوئی ستائیس دن بعد بلقیس کے نام کمال الدین کا یہ خط آیا۔

"چچی جان!

میں اس بات پر بہت نادم ہوں کہ میں نے ایسے لوگوں کو بھی پریشان کیا ہے جن کی میں بے حد عزت کرتا ہوں۔ اگر نیچے لکھے ہوئے ایڈریس پر مجھے آپ یہ بتا سکیں کہ آپ میرے جرم کو قابلِ معافی سمجھتی ہیں اور نسرین بھی میری یہ خطا معاف کر سکتی ہے تو میں انشاء اللہ جلد از جلد اپنا سفر ختم کر کے واپس آ جاؤں گا۔ آپ کی طرف سے جواب نہ آنے کا مطلب یہ ہو گا کہ میں جس جنت سے بھاگ آیا تھا اس کا دروازہ میرے لئے بند ہو گیا ہے۔"

چند منٹ بعد بلقیس اسے یہ جواب لکھ رہی تھی:

"ڈاکٹر صاحب!

خدا کے لئے فوراً واپس آ جائیے، آپ سے کوئی ناراض نہیں۔ اور نسرین کی تو یہ حالت ہے کہ وہ آپ کا خط پڑھتے ہی رو پڑی تھی اور جب میں نے اُس سے پوچھا تھا کہ تمہاری طرف سے کیا لکھا جائے تو اس کا جواب تھا کہ اگر میں ان کے آنے سے پہلے مر جاؤں تو آپ انہیں یہ بتا دیں کہ آخری وقت پر بھی میں انہیں آوازیں دے رہی تھی۔"

چھ ہفتے بعد وہ بلقیس کے سامنے کھڑا بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر رہا تھا اور جب بلقیس اسے اپنے سامنے بٹھا کر تسلیاں دے رہی تھی تو وہ یہ کہہ رہا تھا، کہ چچی جان! میں یہ سمجھ کر یہاں سے نکلا تھا کہ یہ دنیا بہت وسیع ہے اور اس کی وسعتیں اپنے اندر میرے سارے غم سمیٹ لیں گی۔ لیکن یہاں سے نکلتے ہی مجھے یہ محسوس ہوا کہ میں جس قدر آپ سے دور جا رہا ہوں اسی قدر یہ دنیا تنگ ہوتی جا رہی ہے اور وہ مقام بہت جلد آ جائے گا جس سے آگے میں ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکوں گا۔ میں وہ اجڑا ہوا گاؤں دیکھ آیا ہوں جو کبھی میرا گاؤں تھا۔ لاہور سے روانہ ہونے سے قبل میں نے انگلینڈ میں اپنے ایک استاد کو یہ خط لکھا تھا کہ شاید مجھے ایک مدت کے لئے پاکستان سے ہجرت کرنی پڑے، مجھے امید ہے کہ آپ کی توجہ سے مجھے انگلینڈ یا امریکہ میں کوئی معقول ملازمت مل جائے گی۔ جواب کے لئے میں نے انہیں کراچی کے ایک دوست کا ایڈریس بھی دیا تھا۔ میں دکن کی خاک چھاننے کے بعد واپس کراچی پہنچا تو میرے پروفیسر کی طرف سے یہ حوصلہ افزا پیغام پہنچ چکا تھا کہ تمہیں انگلینڈ اور امریکہ میں اچھی ملازمتیں مل سکتی ہیں تم جلد از جلد میرے

پاس پہنچ جاؤ ــــــ لیکن چچی جان! یہ عجیب بات ہے کہ میں اپنے اس دوست
کے پاس ایک گھنٹہ بھی نہیں ٹھہر سکا۔ کراچی واپس آکر میرے ذہن میں سیدھا یہاں
پہنچنے کے سوا اور کوئی مسئلہ تھا ہی نہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جس مشعل کی روشنی
میں میں اپنا راستہ دیکھ سکتا تھا وہ کہیں گم ہو گئی ہے۔ مجھے اس کی تلاش میں واپس
جانا پڑے گا۔ تو بہت پیاری چچی جان! میں واپس آگیا ہوں اور راستے میں ہر قدم
پر مجھ پر یہ خوف سوار تھا کہ آپ کی نگاہوں میں غصہ میرے لئے بہت بڑا مسئلہ ہوگا۔
چچی جان! کراچی سے ایک دوست نے میرے لئے ہوائی سفر کا بندوبست کر دیا تھا
اور ہوائی جہاز پر سوار ہوتے اور اترتے ہوئے اور اس کے بعد گھر کے راستے پر میں
قدم قدم پر یہ دعا کر رہا تھا کہ میں آپ کو مسکراتا ہوا دیکھوں۔ یہ چھوٹی سی خواہش میرے
لئے زندہ رہنے سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔"

بلقیس نے پیار سے اس کے سر پر دونوں ہاتھ رکھ دیئے اور اس کے ساتھ ہی
اس کی آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے۔ بلقیس نے کہا: "بیٹا، اس مہم میں اگر تمہیں کوئی
کامیابی ہوئی ہے تو تمہیں یہ نہیں سوچنا چاہیئے کہ تمہارے اچانک روپوش ہو جانے
سے ہمیں کتنی تکلیف ہوئی ہے۔"

"چچی جان! میں یہاں یہ دعائیں کرتا ہوا پہنچا ہوں کہ آپ کے چہرے پر ایک
ماں کی مسکراہٹ دیکھوں۔"

بلقیس نے جواب دیا: "ماں صرف اپنے بچوں کی خوشیاں دیکھ کر مسکرا
سکتی ہے۔"

کمال الدین نے قدرے توقف کے بعد پوچھا: "نسرین کہاں ہے چچی جان؟"

"شکر ہے کہ تمہیں اس کا بھی خیال آگیا۔"

"چچی جان، اگر آپ یہ سن کر خوش ہو سکتی ہیں کہ نسرین ہر مقام پر میرے ساتھ

تھی اور اس مکان میں داخل ہونے کے بعد سے میری نگاہیں اسے تلاش کر رہی ہیں۔
میں آتے ہی اس کے متعلق پوچھنا چاہتا تھا لیکن کسی خوف نے میری زبان بند کر رکھی تھی۔
ــــــ چچی جان! وہ ٹھیک ہے نا؟"

"بیوقوف، تم خود ہی اس سے کیوں نہیں پوچھ لیتے۔"

"وہ کہاں ہے، چچی جان؟"

"اگر وہ یہاں ہے تو تم کسی دقت کے بغیر اسے تلاش کر سکتے ہو۔"

کمال الدین مسکرایا اور تیزی سے بالا خانے کی طرف بڑھا اور چند ثانیے بعد وہ
آنسوؤں کے دھندلکے میں نسرین کو دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپائے دیکھ رہا تھا۔

"نسرین!" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: "کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم اپنا منہ چھپانے
کی بجائے مجھے یہاں سے بلا تاخیر نکل جانے کا حکم سنا دو۔"

نسرین نے ہاتھ نیچے کر لئے اور دوپٹے سے اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

"ارے! تم رو رہی ہو۔"

"کیا آپ کسی کو سزا دیتے وقت رونے کے حق سے بھی محروم کر دیتے ہیں؟"

"نہیں نسرین، میں صرف اپنے آپ کو سزا دے رہا تھا۔ اس بات کی سزا دے
رہا تھا کہ میں نے اپنے خاندان کے دوسرے افراد کی تلاش میں کوتاہی کی ہے۔ مجھے
انہیں تلاش کئے بغیر ایک لمحہ کے لئے بھی خوش ہونے یا آرام کی نیند سونے کا حق
نہیں تھا۔ ایک دن مجھے کراچی میں حیدرآباد کے بعض لوگوں کے آباد ہونے کی
اطلاع ملی اور میں یوسف صاحب کو ایک مختصر سا رقعہ لکھ کر کراچی کی طرف روانہ ہو گیا۔"

"لیکن انہوں نے صرف یہ بتایا تھا کہ آپ کسی اہم کام سے کراچی روانہ ہو گئے ہیں
جب کوئی ان سے پوچھتا تھا کہ وہ کب آئیں گے تو وہ صرف یہ جواب دیتے تھے کہ
اس کا انحصار ان کی کامیابی یا ناکامی پر ہے۔ لیکن اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں

ہے۔ پھر آپ کا صرف ایک خط آیا تھا کہ آپ کراچی سے کسی لمبے سفر پر جا رہے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ جلدی لوٹ آئیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ساری عمر چلتے رہیں اور یہ ایسے الفاظ تھے جن کی میں آپ سے توقع نہیں کر سکتی تھی۔ اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ میں آنسو بہانے میں حق بجانب ہوں یا نہیں۔ لیکن کوئی اور بات کرنے سے پہلے آپ کو پورے خلوص کے ساتھ یہ وعدہ کرنا پڑے گا کہ آپ پھر ایک بار ایسے حالات پیدا نہیں کریں گے۔ میرے لئے آپ کا اس طرح غائب ہو جانا ایک بہت بڑی سزا تھی۔“

”نسرین!“ کمال الدین نے مغموم آواز میں کہا: ”میں بہت شرمسار ہوں اور میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ آپ کی اجازت کے بغیر گھر سے ایک قدم بھی باہر نہیں جاؤں گا۔ اب مجھے باہر جانے کے تصوّر سے خوف آتا ہے۔“

دبے دبے قدموں کی آہٹ کے بعد بلقیس کی آواز سنائی دی: ”بیٹا! تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو وہ نسرین سمجھ گئی ہے۔ تمہیں مجھ سے یہ وعدہ کرنا پڑے گا کہ نسرین کبھی غصّے کی حالت میں اگر کہہ بھی دے تو تم باہر نہیں جاؤ گے۔“

نسرین بولی: ”میں غصّے کی حالت میں بھی ان سے کچھ نہیں کہہ سکوں گی۔“

یوسف نے نیچے سے آواز دی: ”چچی جان! نسرین!!“

بلقیس نے نیچے جھانکتے ہوئے کہا: ”بیٹا! اوپر آجاؤ، کوئی تمہارا انتظار کر رہا ہے۔“

یوسف بھاگتا ہوا اوپر پہنچا اور اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کمال الدین کو گلے لگا لیا۔ بلقیس بولی: ”ہم نے ڈاکٹر صاحب سے یہ وعدہ لے لیا ہے کہ وہ ہماری اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جائیں گے اور میرا خیال ہے کہ آپ کو بھی یہ وعدہ لے لینا چاہیئے۔“

یوسف مسکرایا: ”نسرین نے بھی یہ وعدہ لے لیا ہے؟“

”ہاں بیٹا، اصل مسئلہ تو یہی تھا۔“

”تو پھر چچی جان، مجھے وعدہ لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ نسرین کا چہرہ دیکھ کر میں اس پر اعتماد کر سکتا ہوں اور اگر میں اعتماد نہ بھی کروں تو بھی مجھے یہ اطمینان ہے کہ اسے بہت جلد وہی حالات پیش آنے والے ہیں جو مجھے مسوری میں پیش آئے تھے اور کل یہ اتنے مصروف ہوں گے کہ انہیں سوچنے کا بھی وقت نہیں ہوگا اور پھر ان کے ذہن سے ہمیشہ کے لئے یہ بات نکل جائے گی کہ اپنی رفیقۂ حیات کے بغیر وہ گھر سے باہر کسی طرف بھی قدم اٹھا سکتے ہیں۔“

اگلی شام کمال الدین نے عشاء کی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر ایک لمبی دعا کرنے کے بعد نسرین سے کہا: ”نسرین! ہم زندہ ہیں۔ ہم دونوں زندہ ہیں۔“

”جی ہاں، لیکن میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ میں مر کر دوبارہ زندہ ہوئی ہوں۔ صرف ایک بار نہیں کئی بار ـــــ اور زندگی کا اس سے بڑا معجزہ کیا ہو سکتا ہے کہ ہم کئی بار مرتے ہیں اور کئی بار زندہ ہوتے ہیں۔“

اختتام

نسیم حجازی

الغیاث۔ ۳۳ بی سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی

۱۱ مارچ ۱۹۹۱ء